كَاسِرُ السَّفِيهِ الْوَاهِمْ فِيْ اِبْدَالِ قِرْطَاسِ الدَّرَاهِمْ

١٣٢٩ھ

کاغذی نوٹ کے بدلنے سے متعلق بیوقوف وہمی کو شکست دینے والا

کا ترجمہ ملقب بلقب تاریخی

اَلذَّیْلُ الْمَنُوْط لِرِسَالَۃِ الْمَنُوْط

١٣٢٩ھ

رسالہ نوٹ کا معلق دامن

تصنیف لطیف:-

اعلیٰ حضرت، مجدد امام احمد رضا علیہ الرحمہ

ALAHAZRAT NETWORK

اعلیٰحضرت نیٹ ورک

www.alahazratnetwork.org

کَاسِرُ السَّفِیْہِ الْوَاھِم فِیْ اِبْدَالِ قِرْطَاسِ الدَّرَاھِم [۱۳۲۹ھ]

(کاغذی نوٹ کے بدلنے سے متعلق بیوقوف وہمی کو شکست دینے والا)

کا ترجمہ ملقب بلقب تاریخی

اَلذَّیْلُ الْمَنُوْط لِرِسَالَةِ النُّوْط [۱۳۲۹ھ]

(رسالہ نوٹ کا معلق دامن)

مسئلہ ۲۱۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علٰی رسولہ الکریم

الحمدللہ رسالہ مبارکہ کفل الفقیہ الفاھم فی احکام قرطاس الدراھم [۱۳۲۴ھ] نے نوٹ کے متعلق جملہ مسائل ایسے بیان نفیس سے روشن کئے کہ اصلاً کسی مسئلہ میں کوئی حالت منتظرہ باقی نہ رہی۔ یہ رسالہ مکہ معظمہ میں وہیں کے دو علمائے کرام کے استفتاء پر نہایت قلیل مدت میں تصنیف ہوا اس وقت تک رقم سے کم زیادہ کو نوٹ بیچنے کے بارے میں مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی کا خلاف معلوم تھا ان کا فتوٰی اگرچہ وہاں موجود نہ تھا مگر اس کا مضمون ذہن میں تھا بفضلہٖ تعالٰی گیارھویں مسئلہ میں اس کا وافی شافی

ردگزرا کہ مصنف کو کافی اور اوہام کا نافی ہے وللہ الحمد ۔ یہ معلوم بھی نہ تھا کہ دیوبندیوں کے مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی آنجہانی نوٹ کو تمسک ٹھہرا کر سرے سے مال سے خارج اور کم وبیش درکنار برابر کو بھی اُس کی خرید وفروخت ناجائز کرچکے ہیں تاہم بالہام الٰہی شروع کتاب میں اس پر بقدر کفایت بحث ہوئی جس نے حق کے چہرے سے نقاب اٹھائی اور سفاہت سفہا گھر تک پہنچائی والحمد للہ ۔ حاجت نہ تھی کہ اب اُس وہم یا اُس سفاہت کی طرف مستقل توجہ ہو لیکن نفع برادرانِ دینی کے لئے مناسب معلوم ہُوا کہ ان دونوں تحریروں کو ذکر کروں اور اُن کے فقرے فقرے کا جہاں جہاں اس کتاب میں رد مذکور ہُوا ہے اس کا پتہ بتادوں اور باقتضائے توجہ مستقل جو بعض مباحث تازہ خیال میں آئیں اضافہ کروں اور اس کا تاریخی نام کاسر السفیہ الواھم فی اَبْدَالِ قرطاس الدراھم [۱۳۲۹] رکھوں ۔ سفاہت سے اشارہ تحریر جناب گنگوہی صاحب کی طرف ہے ، اور وہم سے فتوائے مولوی لکھنوی صاحب کی طرف ۔ اول کے لحاظ سے لفظ اِبدال بکسر ہمزہ مصدر پڑھنا چاہئے کہ ان کو نفس مبادلہ وبیع نوٹ میں عروض سفاہت ہے اور دوم کے اعتبار سے اعتبار سے بفتح ہمزہ صیغہ جمع کہ یہ نوٹ کا صرف ایک بدل یعنی جو رقم کے برابر ہو جائز رکھتے ہیں اور در بارہ کم وبیش وہم ممانعت ہے ھذا و باللہ التوفیق ۔

ردِّ سفاہت

جناب گنگوہی صاحب کی جلد دوم فتاوٰی ص ۱۶۹ میں ہے" نوٹ وثیقہ اس روپے کا ہے جو خزانہ حاکم میں داخل کیا گیا ہے مثل تمسک کے اس واسطے کہ نوٹ میں نقصان آجائے تو سرکار سے بدلا سکتے ہیں اور اگر گم ہوجائے تو بشرط ثبوت اس کا بدل لے سکتے ہیں اگر نوٹ مبیع ہوتا تو ہرگز مبادلہ نہیں ہو سکتا تھا دنیا میں کوئی مبیع بھی ایسا ہے کہ بعد قبض مشتری کے اگر نقصان یا فنا ہوجائے تو بائع سے بدل لے سکیں پس اس تقریر سے آپ کو واضح ہو جائیگا کہ نوٹ مثل فلوس کے نہیں ہے فلوس مبیع ہے اور نوٹ نقدین ان میں زکوٰۃ نہیں اگر بہ نیت تجارت نہ ہوں اور نوٹ تمسک ہے اس پر زکوٰۃ ہوگی اکثر لوگوں کو شبہہ ہو رہا ہے کہ نوٹ کو مبیع سمجھ کر زکوٰۃ نہیں دیتے کاغذ کو مبیع سمجھ رہے ہیں سخت غلطی ہے [۱] فقط" اور جلد اول ص ۷۵ و ۷۶ میں ہے: " نوٹ کی خرید وفروخت برابر قیمت پر بھی درست نہیں مگر اس میں حیلہ حوالہ ہو سکتا ہے اور بحیلہ عقد حوالہ کے جائز ہے مگر کم زیادہ پر بیع کرنا ربا ناجائز ہے یہ تفصیل اس کی ہے [۲] فقط" جناب

---

[۱] فتاوٰی رشیدیہ کتاب الزکوٰۃ محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۳۵۶

[۲] " کتاب البیوع " " " ص ۴۱۸

گنگوہی صاحب نے اول نوٹ کو تمسک بنایا اور آخر میں صرف اس جُرم پر کہ وہ کاغذ ہے اور کاغذ بھلا کہیں بکنے کی چیز ہے وہ تو دریا کے پانی نہیں نہیں بلکہ ہوا کی طرح ہے جس کی بیع ہو ہی نہیں سکتی اس کی خرید و فروخت کو مطلقاً ناجائز ٹھہرایا اگرچہ برابر کو ہو، مگر خود ہی اسی جلد دوم کے ص ۱۷۳ پر فرمانے والے تھے کہ "روپیہ بھیجنے کی آسان ترکیب نوٹ کو رجسٹری یا بیمہ کرا دینا ہے[1]" اب گھبرائے کہ نوٹ کی خرید و فروخت تو میں حرام کرچکا ہُوں نوٹ آئیں گے کس گھر سے کہ رجسٹری کرا کر مرسل ہوں ناچار اِدھر اُدھر ٹٹولا حوالہ پر ہاتھ پڑا لہٰذا اس حیلہ حوالہ کی گھڑ دی کہ "بحیلہ عقد حوالہ جائز ہے[2]" یعنی زید نے عمرو سے پانچ روپے کا نوٹ مول لے کر پانچ روپے اسے دیے وہ اگرچہ خریدم فروختم (میں نے خریدا اور میں نے بیچا۔ ت) کہہ رہے ہیں مگر زبردستی ان کے سر یہ منڈھو کہ نہ بیچا نہ مول لیا نہ قیمت دی بلکہ زید نے عمرو کو پانچ روپے قرض دیے اور عمرو جو گورنمنٹی خزانے سے یہ نوٹ مول لے چکا تھا وہ بھی قرض کا لین دین تھا، ان کے نزدیک گورنمنٹ پر ایسا وقت پڑا تھا کہ وہ عمرو سے پانچ روپے قرض لینے بیٹھی تھی اور اس کی سند کے لئے یہ نوٹ کا تمسک اس کے ہاتھ میں تھما دیا تھا کہ سند باشد و عند الحاجۃ بکار آید (کہ سند رہے اور بوقتِ ضرورت کام آئے۔ ت) اب جو عمرو سیٹھ پر وقت پڑا اس نے زید سے پانچ روپے اُدھار لئے اور وہی تمسک اب اسے پکڑا دیا کہ گورنمنٹ پر ہمارے پانچ روپے اگلے وقتوں کے قرض آتے ہیں جن کو برسیں گزریں اب تک گورنمنٹ نے ادا نہ کئے ہم نے اپنے اوپر کے گورنمنٹ پر اُتار دیے تم اس سے وصول کرلینا، یہ حضرت کی اس ٹٹول کا حاصل ہے جسے ہر عاقل جانتا ہے کہ محض سفاہت و باطل ہے اس کا رد کافی رسالہ کے صفحہ ۱۲۶ و ۱۲۷ و ۱۲۸ و ۱۲۹ میں گزرا پھر بھی اس کی بعض جہالتوں کا اظہار خالی از فائدہ نہیں کہ اس ضمن میں ناظر کو بہت سے مسائل و فوائد پر اطلاع ہوگی ان شاء اللہ تعالٰی۔

فاقول و باللہ التوفیق (پس میں کہتا ہُوں اور اللہ ہی کی طرف سے توفیق ہے۔ ت)

اوّل تو یہی سرے سے سخت حماقت ہے کہ جہان بھر کے عاقدین جس عقد کا قصد کریں زبردستی اس سے بُرا کر وُہ عقد اُن کے سر چپیٹو جو ان کے خواب و خیال میں نہیں، گنگوہ کے کوردہ سے اٹھ کر تمام دنیا کے جس شہر قصبے میں چاہو جاؤ اور تمام جہان سے پوچھو کہ نوٹ کے لین دین میں تمھیں خرید فروخت مقصود ہوتی ہے بیچا اور مول لیا کہتے ہو، بائع اپنی ملک سے نوٹ کا خارج ہو کر مشتری کی ملک میں داخل ہونا اور مشتری اس کے عوض روپے دے کر نوٹ کا اپنی ملک میں آنا سمجھتا ہے، یا یہ کہ نوٹ دینے والا اس سے قرض مانگتا ہے

---

[1] و [2] فتاوٰی رشیدیہ باب الربا محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۴۳۱

اور قرض کی سند میں نوٹ بجائے تمسک دیتا ہے۔ ہدایہ میں ہے: العبرة فی العقود للمعانی[1] عقود میں معانی کا اعتبار ہے، مگر یہ عجب عقد ہے کہ لفظ بھی بیچنے خریدنے کے قصد بھی بیچنے خریدنے کا یہی مقصود یہی مراد، یہی مفہوم یہی مفاد، اور خواہی نخواہی جہان بھر کو پاگل بنا کر کہہ دیجئے کہ اگرچہ تم کہتے ہو نہ قصد رکھتے ہو مگر تمھاری مراد ہے کچھ اور، اگر ایسی تصحیح ہو تو دنیا میں فاسد سے فاسد عقد ٹھیک ہو جائے گا مثلاً زید نے عمرو کے ہاتھ ایک روپیہ میں سیر بھر چاندی کو بیع کیا تو اگرچہ انھوں نے کہا یہی کہ بیچا خریدا اور ان کا قصد بھی یہی تھا مگر یوں ٹھہرائیے کہ وہ کچھ کہیں سمجھیں مگر یہ بیع نہ تھی بلکہ زید نے ایک روپیہ عمرو کو ہبہ کیا عمرو نے اس کی جزا میں سیر بھر چاندی اس کو ہبہ کر دی اس میں کیا حرج ہوا لہذا سود حلال طیب ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ ہدیہ میں زیادہ عوض دینا منع نہیں بلکہ سنّت ہے کسی صاحب نے ایک اونٹنی نذر بارگاہِ عالم پناہ حضور سید عالم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی، حضور اقدس صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس کے عوض چھ ناقے جوان عطا فرمائے،

رواہ احمد والترمذی والنسائی بسند صحیح عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالٰی عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ان فلانا اھدی الیّ ناقۃ فعوضتہ منھا ست بکرات[2]، الحدیث۔

اس کو امام احمد، ترمذی اور نسائی نے سند صحیح کے ساتھ سیدنا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: فلاں شخص نے مجھے ایک اونٹنی ہدیہ بھیجی تو میں نے اس کے بدلے اس کو چھ جوان اونٹنیاں ہدیہ بھیجی ہیں، الحدیث (ت)

تو عقد ربا کو عاقدین کے لفظ و معنی سب کے خلاف عقد ہبہ میں کھینچ لائیے اور سود حلال کر لیجئے، ایسے حیلے حوالے کوّے کا گوشت اور بکرے کے کپورے کھا کر سُوجھتے ہوں گے مگر علم و عقل و بصر و بصیرت والے اُن کو محض مضحکہ سمجھتے ہیں۔ ہدایہ میں ہے:

التصحیح انما یجب فی محل اوجبا العقد فیہ[3]

عقد کو صحیح بنانا اسی محل میں واجب ہے جس میں عاقدین نے عقد ٹھہرایا۔ (ت)

---

[1] الہدایۃ کتاب البیع باب السلم مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۹۳

[2] جامع الترمذی ابواب المناقب باب فی فضل العجم امین کمپنی دہلی ۲/ ۲۳۲

مسند احمد بن حنبل مروی از ابوہریرہ رضی اللہ عنہ المکتب الاسلامی بیروت ۲/ ۲۹۲

[3] الہدایۃ کتاب البیوع باب السلم مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۹۳

فتح میں اس کی شرح میں فرمایا:

تصحیح العقد انما یکون فی المحل الذی اوجب المتعاقدان البیع فیه لافی غیرہ[1]

عقد کو صحیح بنانا صرف اسی محل میں ہے جس محل میں متعاقدین (بائع ومشتری) نے بیع ٹھہرائی نہ کہ اس محل کے غیر میں۔ (ت)

ہدایہ میں ہے:

التغییر لایجوز وان کان فیه تصحیح التصرف[2]

تغیر کرنا جائز نہیں اگرچہ اس میں تصرف کو صحیح کرنا ثابت ہوتا ہو۔ (ت)

فتح میں شرح میں فرمایا:

تغییر تصرفهما لایجوز وان کان فیه تصحیح التصرف بدلیل الاجماع (الی ان قال) فهذه احکام اجماعیة کلها دالة علی ان تغییر التصرف لایجوز وان کان یتوصل به الی تصحیحه[3]

عاقدین کے تصرف میں تغیر کرنا جائز نہیں اگرچہ اس میں تصرف کا صحیح کرنا ثابت ہوتا ہو اس پر دلیل اجماع ہے (یہاں تک کہ شارح نے کہا) تو یہ اجماعی احکام ہیں جو تمام اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ تصرف میں تبدیلی کرنا جائز نہیں اگرچہ تبدیلی تصرف کے صحیح کرنے کا ذریعہ بنتی ہو۔ (ت)

ہدایہ میں اسی کے متعلق ہے: فیه تغییر وصفه لا اصله[4] (اس میں وصف عقد کی تبدیلی ہے نہ کہ اصل عقد کی۔ ت)، عنایہ میں اس کی شرح میں فرمایا:

والجواب عن تغییر تصرفه ان یقال فیه تغییر وصف التصرف او اصله والاول مسلم ولانسلم انه مانع عن الجواز والثانی ممنوع[5]

اس کے تصرف میں تبدیلی کا جواب یہ ہے کہ یوں کہا جائے اس میں وصف تصرف کی تبدیلی ہے یا اصل عقد کی اول مسلم ہے مگر ہم یہ نہیں مانتے کہ جواز سے مانع ہے اور ثانی ممنوع ہے (ت)

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب السلم مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۰۶

[2] الہدایہ کتاب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۰۸

[3] فتح القدیر " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۶۸

[4] الہدایہ کتاب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۱۰۹

[5] العنایۃ علی الہدایہ علی حاشیۃ فتح القدیر " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۲۷۰

ہدایہ میں ہے :

اذا اشتری قلبا بعشرۃ وثوبا بعشرۃ ثم باعھما مرابحۃ لایجوز وان امکن صرف الربح الی الثوب لانہ یصیر تولیۃ فی القلب بصرف الربح کلہ الی الثوب[1]

کسی شخص نے ایک کنگن دس درہم کے بدلے اور ایک کپڑا دس درہم کے بدلے خریدا پھران دونوں کو اکٹھا بطور مرابحہ بیچا تو جائز نہیں کیونکہ تمام نفع کو کپڑے کی طرف پھیرنے سے کنگن میں یہ بیع تولیہ ہوجائیگی (ت)

فتح میں ہے :

اما مسألۃ المرابحۃ فعدم الصرف لانہ یتغیر اصل العقد اذ یصیر تولیۃ فی القلب[2]

لیکن مسئلہ مرابحہ میں عدمِ صرف اس لئے ہے کہ اس میں اصل عقد میں تبدیلی لازم آتی ہے کیونکہ کنگن میں بیع تولیہ ہوجاتی ہے۔ (ت)

ان تصریحاتِ ائمہ سے روشن ہُوا کہ متعاقدین جو عقد کررہے ہیں وُہ اگرچہ باطل وفاسد ہو اور دوسرا عقد ٹھہرانے میں اس کی تصحیح ہوتی ہو ہرگز ایسی تصحیح جائز نہیں اور اس تصحیح کے بطلان پر اجماع قائم ہے جب کہ اس میں اصل عاقدین کی تغییر ہوتی ہے اور تصحیح فرمائی کہ بیع کو مرابحہ سے تولیہ قرار دینا بھی ایسی ہی تغییر ہے کہ بالاجماع جائز نہیں حالانکہ وہ رہی بیع کی بیع ہی تو بیع کی سرے سے کایا پلٹ کرکے حوالہ کردینا کیسے جاہل مخالف اجماع کا کام ہوگا آپ کے لکھے بیع نہ ہوتی افیونی کی ریوڑی ہُوئی کہ گرتے ہی مزہ بدل گیا ولاحول ولاقوۃ الّا باللہ۔

دوم ہر عاقل جانتا ہے کہ تمسک ایک معین مثلاً زید کی طرف سے دوسرے معین مثلاً عمرو کے لئے ہوتا ہے کہ اگر زید عمرو کے دَین سے منکر ہو تو عمرو بذریعہ تمسک اس سے وصول کرسکے تمسک اس لئے نہیں ہوتا کہ عمرو جہاں چاہے جس ملک میں چاہے جس شخص سے چاہے اسکے دام وصول کرلے زید کے پاس عمرو، بکر، خالد، ولید دُنیا بھر کا کوئی شخص اسے لے کر آئے یہ اسے دام پُر کھا دے بلکہ زید وعمرو دائن ومدیون دونوں بالائے طاق رہیں، تیسرا شخص اجنبی، چوتھے شخص نرے بیگانے کو دے کر اُس سے دام لے لے دُنیا میں کوئی تمسک بھی ایسا سُنا ہے اور نوٹ کی حالت یقیناً یہی ہے کہ جو چاہے جہاں چاہے اگرچہ غیر ملک غیر سلطنت ہو جبکہ یہاں کا سکہ اس سلطنت میں چلتا ہو جس شخص سے چاہے اس کے دام لے لے گا

---

[1] الہدایہ کتاب الصرف مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۱۰۸-۱۰۹
[2] فتح القدیر " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۲۷۰

یہ حالت یقیناً مال کی ہے نہ کہ تمسک کی، تو اسے تمسک کہنا کیسا اندھا پن ہے بلکہ وہ بالیقین مال ہے سکہ ہے ولکن العمیان لایبصرون (لیکن اندھے نہیں دیکھتے۔ ت)۔

سوم ہر عاقل جانتا ہے کہ تمسک کے وجود و عدم پر دَین کا وجود و عدم موقوف نہیں ہوتا بلکہ جب دَین ثابت ہو مدیون پر دینا لازم آئے گا تمسک رہے یا نہ رہے۔ اب فرض کیجئے کہ زید نے لاکھ روپے دے کر خزانے سے ہزار ہزار روپے کے سَو نوٹ لئے اور اپنا نام پتہ اور نوٹ کے نمبر سب درج کرا دیے، تو اب لازم ہے کہ وہ جب چاہے خزانے سے اپنے آتے ہوئے لاکھ روپے وصول کرلے اگرچہ نوٹ اس کے پاس جل گئے یا ریزہ ریزہ ہوگئے یا چوری ہوگئے یا اس نے کسی کو دے دئے کہ خزانہ آپ کے نزدیک اس کا مدیون ہے اور تمسک نہ رہنے سے دَین ساقط نہیں ہوتا اور جب نوٹوں کے نمبر لکھے ہُوئے ہیں تو گورنمنٹ کو یہ اندیشہ نہیں ہوسکتا کہ مبادا نوٹ نہ جلے نہ پھٹے بلکہ اس کے پاس موجود ہوں یا اس نے کسی کو دے دیے ہوں تو جب وہ نوٹ یہ یا دوسرا لے کر آئے ہمیں دوبارہ دینا پڑے گا، دوبارہ کیوں دینا ہوگا، یہ لایا تو کہہ دیا جائے گا کہ ہم نے جو روپیہ تجھ سے قرض لیا تھا تجھے ادا کردیا اب مکرر کیسے طلب کرتا ہے، اور دوسرا لایا تو کہہ دیا جائے گا کہ اس تمسک کا روپیہ ہم اصل قرضخواہ کو دے چکے ہیں اب ہم پر مطالبہ نہیں مگر ایسا ہرگز نہ ہوگا نوٹ خود جلا کر یا پھاڑ کر کسی کو دے کر گورنمنٹ سے روپیہ مانگئے تو، اگر اس نے پاگل جانا تو اوار کو پھیر دے گی ورنہ بڑے گھر کی ہوا کھلائیگی، اس وقت آپ کی آنکھیں کھلیں گی کہ نوٹ کیسا تمسک تھا یہ حالت صراحۃً مال کی ہے کہ جو شخص کسی سے ایک مال خرید کر پھر اسے تلف کردے یا کسی کو دے دے اور اپنے روپے بائع سے واپس مانگے تو کم از کم پاگل ٹھہرتا ہے۔

چہارم یہیں سے آپ کے شبہ کا کشف ہوگیا کہ گم جائے یا نقصان آجائے تو بدلوا سکتے ہیں یہ مطلقاً ہرگز صحیح نہیں اور اگر تمسک ہوتا تو واجب تھا کہ ہمیشہ ہر حال میں بدل دیا جاتا کہ تمسک کے نقصان یا فقدان یا خود ہلاک یا تلف کردینے سے دَین پر کچھ اثر نہیں پڑتا اور بعض صورتوں میں اگر بدل دینے کا وعدہ ہو بھی تو اس سے تمسک ہونا لازم نہیں آتا، سلطنتوں نے یہ ایک طرفہ اکسیر ایجاد کی کہ ہزار کیمیا کو اس سے کچھ نسبت نہیں چھدام کے کاغذ کو ہزار کا کردیں دس ہزار کا کردیں ایسی سخت مہم بات عام میں مقبول ہونے کے لئے بعض رعایتوں کی ضرورت تھی ملک کو اندیشہ ہوتا کہ کاغذ بہت ناپائدار چیز ہے آگ میں جل جائے، پانی میں گل جائے، استعمال سے چاک ہو، گم جائے، کیا ہو کیا ہو تو ہمارا مال یوں ہی برباد ہو اس کی تسکین کیلئے کچھ وعدوں کی حاجت ہوئی ورنہ ملک ہرگز نوٹ کو ہاتھ نہ لگاتا، یہ تو اتنی بڑی کیمیا ہے سوداگر اپنے تھوڑے سے نفع کے لئے اس قسم کے وعدوں سے اطمینان دلاتے ہیں برسوں کے لئے گھڑیوں کی گارنٹیاں

کرتے ہیں کہ اس مدت میں بگڑے یا بیکار ہو تو بنا دیں گے بدل دیں گے یہاں بھی کہہ دینا کہ "بھلا دنیا میں کوئی بیع بھی ایسی ہے"[1] آپ ایک کوردہ میں رہ کر دنیا بھر کا ناحق ٹھیکہ لیں ہاں یہ کہئے کہ تاجروں کا یہ کہنا خلافِ شرع ہے پھر گورنمنٹ کے سب اقوال مطابق شرع ہونا کس نے لازم کیا۔

پنجم سود دینے لینے میں گورنمنٹ کی حالت معلوم ہے کہ وہ اسے ہر قرض و دَین کا لازم قطعی مانے ہوئے ہے یہاں تک کہ جو شخص سَو تک بنک میں روپیہ جمع کرے یا وہ ملازم جن کی تنخواہ کا کچھ حصہ کٹ کر جمع ہوتا رہتا اور ختم ملازمت پر ان کو دیا جاتا ہے وہ مانگیں یا نہ مانگیں ساری مدت کا سود حساب لگا کر انھیں دیتی ہے بلکہ وہ کہے کہ میں سُود نہ لُوں گا جب بھی ماہوار سُود اس کے نام سے درج ہوتا رہتا ہے، اگر خزانہ سے نوٹ لینا روپیہ داخل کر کے اس کا وثیقہ لینا ہوتا تو لازم تھا کہ گورنمنٹ اس کے لئے سُود لکھتی رہتی جب تک وہ نوٹ دے کر روپیہ واپس لیتا۔ اب آپ کو تو یہ حیلہ ہوگا کہ ہائیں ہم اور سُود مانگیں اگرچہ اللہ عزوجل کی تکذیب، حضور سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی توہین، ابلیس کو خدا کی خاص صفت میں شریک ماننا کروڑوں درجہ سود بلکہ سور کھانے سے بدتر ہے، خیر آپ نہ جائیے امتحان کے لئے کسی بنئے کو بھیج دیکھئے کہ ہزار روپے کا نوٹ خزانے سے خریدے پھر سال بھر بعد وہ بنیا اپنے اُس ہزار کا سُود گورنمنٹ سے مانگنے جائے دیکھئے تو ابھی اسے آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا اور جتنی اس اس پر پڑیں گی حقیقۃً اس پر نہ ہوں گی بلکہ اس پر ہوں گی جس نے اسے یہ حکم دیا تھا کہ نوٹ کی خریداری نہیں بلکہ روپیہ قرض دے کر تمسک لینا ہے۔

ششم زید عمرو سے وقتاً فوقتاً سَو اور دو سَو اور ہزار قرض لیتا رہے اس تمام مدت میں وہ تمسکات لکھ کر عمرو کو دیتا رہے گا اور جس تمسک کی میعاد ختم ہونے آئے گی بدل دے گا یہاں تک کہ اُس پر عمرو کے دس ہزار جمع ہوگئے اب اس نے ہزار ہزار کے دس نوٹ عمرو کو دیئے اُسی وقت سے اس کا حساب بند ہو جائے گا عمرو سب تمسکات اسے پھیر دے گا اسے فارغ خطی لکھ دے گا زید اور خود عمرو اور سارا جہان سمجھے گا کہ قرضہ دام دام وصول ہوگیا، مگر گنگوہی صاحب فرماتے ہیں دس ہزار کے نوٹ دیئے تو کیا ہُوا وصول ابھی ایک کوڑی بھی نہ ہوئی، اس جہان بھر نرالی مت کا کیا کہنا!

ہفتم فرض کیجئے گورنمنٹ نے کسی بنک سے بیس لاکھ روپے قرض لئے اور تمسک لکھ دیا کہ دس برس کے اندر ادا کیا جائے گا، تین برس گزرنے پر بیس لاکھ کے نوٹ بنک کو دے دیئے تمام جہان اور

---

[1] فتاوٰی رشیدیہ کتاب الزکوٰۃ محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۵۶۳

بنک اور گورنمنٹ سب تو یہی سمجھیں گے کہ قرض ادا ہوگیا مگر گنگوہی صاحب سے پُوچھئے کہ اگر یہ نوٹ بھی تمسک ہی تھے تو اس فضول کارروائی کا محصل کیا ہوا تمسک تو پہلے سے لکھا ہوا موجود تھا اس جدید تمسک کی کیا حاجت ہوئی، بھلا زید کو تو اتنا فائدہ ہوا بھی تھا کہ نوٹ دے کر اپنا قرض گورنمنٹ پر اتار دیا گورنمنٹ کو کیا نفع ہُوا اُس کا قرض اسی پر تو رہا اور بنک کی بیوقوفی تو دیکھئے نرے تمسک پر پھول کر حساب بند کر بیٹھا، ظاہراً آپ یہ سمجھتے ہیں کہ اپنی بند تو سب کی بند۔

ہشتم حوالہ اپنا قرض دوسرے پر اتارنے کو کہتے ہیں تو اگر زید پر عمرو کا قرض نہ آتا ہو بلکہ زید کا قرض بکر پر ہو اور اس صورت میں زید عمرو کو بکر پر حوالہ کرے تو یہ حقیقۃً حوالہ نہ ہوگا بلکہ عمرو کو اپنا قرض بکر سے وصول کرنے کا وکیل کرنا اور اگر نہ عمرو کا قرض زید پر آتا ہو نہ زید کا قرض بکر پر، اور اس حالت میں زید عمرو کو بکر پر حوالہ کرے تو یہ محض باطل و بے اثر ہے اگرچہ بکر اس حوالہ کو قبول بھی کرلے کہ اب نہ زید اپنا قرض دوسرے پر اتارتا ہے نہ دوسرے پر اپنا آتا وصول کرتا ہے بلکہ بلا وجہ عمرو سے کہتا ہے کہ بکر کے مال سے اتنے روپے لے لے بکر کا قبول کرنا وہ نرا ایک وعدہ ہُوا کہ میں اتنا مال عمرو کو بخش دوں گا اور محض وعدہ پر جبر نہیں لہٰذا اس قول کا کچھ اثر نہیں، عالمگیری میں ہے:

اذا احال رجلا علی غریمہ ولیس للمتحال لہ علی المحیل دین فہذہ وکالۃ ولیست بحوالۃ کذا فی الخلاصۃ۔[1]

جب کسی شخص نے دوسرے کو اپنے مقروض پر حوالہ کیا (کہ اس سے قرض وصول کرے) حالانکہ جس کے لئے حوالہ کیا گیا اس کا حوالہ کرنے والے پر کوئی قرض نہیں تو یہ وکالت ہے حوالہ نہیں، یونہی خلاصہ میں ہے۔ (ت)

اسی میں ہے:

احال علیہ مائۃ من من حنطۃ ولم یکن للمحیل علی المحتال علیہ شیئ ولا للمحتال لہ علی المحیل فقبل المحتال علیہ ذلک لاشیئ علیہ کذا

کسی شخص نے دوسرے پر سو من گندم کا حوالہ کیا حالانکہ جس پر حوالہ کیا اس پر حوالہ کرنیوالے کا کوئی قرض نہیں اور نہ ہی جس کے لئے حوالہ کیا گیا اس کا حوالہ کرنے والے پر کوئی قرض ہے، اور جس پر حوالہ کیا گیا اس نے اس کو قبول کرلیا تب بھی

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحوالہ مسائل شتّٰی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۰۵

فی القنیۃ[1] اس پر کوئی شئ لازم نہیں، قنیہ میں یونہی ہے (ت)

اب فرض کیجئے کہ ایک بنک نے خزانہ سے بیس لاکھ کے نوٹ متفرق اوقات میں لئے تھے پھر گورنمنٹ کو قرض لینے کی حاجت ہوئی اس نے بنک سے بیس لاکھ قرض مانگے بنک نے وہی نوٹ دے دیئے تو تمام دنیا یہی جانے گی کہ بنک نے ضرور قرض دیا مگر آپ اپنی کہئے اب نوٹ دینا حوالہ تو ہو نہیں سکتا کہ گورنمنٹ کا بنک پر قرض نہ آتا تھا انتہا یہ کہ وکالت ہوگی جس کا حاصل اتنا کہ گورنمنٹ نے اس سے قرض مانگا اس نے بیس لاکھ کے نوٹ جو نرے تمسک تھے دے کر برات عاشقاں بر شاخ آہو پر ٹال دیا یعنی گورنمنٹ کو وکیل کر دیا کہ خود اپنے خزانہ سے وصول کر و ہم کچھ نہ دیں گے لطف یہ کہ گورنمنٹ بھی نہیں کہتی کہ ہم تجھ سے قرض چاہتے ہیں، تو کہتا ہے اپنے ہی خزانہ سے لے لو یہ کیا قرض دینا ہوا، زید پر عمرو کے روپے آتے ہوں زید اس سے اور قرض لینے آئے، اس پر عمرو کہے کہ میرا پہلا قرض جو تم پر آتا ہے اسی سے وصول کر لو، تو اس نے یہ قرض دیا یا ٹال دیا بلکہ اسے یوں ٹھہراؤ کہ دَین معاف کیا اور تمسک واپس دیئے معاملہ ختم ہوا گورنمنٹ بیس لاکھ کے نوٹ لے لے اور کوڑی نہ دے سستے چھوٹے۔

نہم فرض کرو گورنمنٹ نے بیس لاکھ کسی کو انعام دیئے تھے پھر ایک وقت پر اس سے قرض مانگا اس نے وہی نوٹ دے دیئے دنیا جانے گی کہ گورنمنٹ پر اس کے بیس لاکھ قرض ہوگئے مگر گنگوہی صاحب کہیں گے ایک پیسہ بھی قرض نہ ہوا گورنمنٹ بیس لاکھ کے نوٹ مفت لے لے اور کچھ نہ دے اس لئے کہ یہ وہ صورت ہے کہ نہ حوالہ کرنے والے پر قرض آتا تھا نہ جس پر حوالہ کیا اس پر اس کا پہلے کوئی دین تھا تو کارروائی باطل ہوئی اور گورنمنٹ کو کچھ دینا نہ آئے گا ولا حول ولا قوۃ الا باللہ، غرض یہ آپ نے وہ گھڑی ہے کہ نہ گورنمنٹ کی خواب میں ہے نہ ملک بھر کے خیال میں آپ ہی اپنی ڈیڑھ چھٹانک کی الگ بگھار رہے ہیں۔

دہم حوالہ میں مدیون محیل کہلاتا ہے اور دائن محتال، اور جس پر قرض اتارا گیا کہ اس سے وصول کر لینا اسے محتال علیہ یا حویل کہئے، یہاں جب زید نے عمرو کے ہاتھ ہزار روپے کے نوٹ بیچے تو آپ کے طور پر زید عمرو کا مدیون اور محیل ہوا اور عمرو زید کا دائن اور محتال ہوا اور گورنمنٹ حویل، اور شرعی مسئلہ ہے کہ ہر شخص حویل ہو سکتا ہے اگرچہ محیل کا اس پر کچھ نہ آتا ہو کہ اس نے جب حوالہ قبول کر لیا تو اس کا دین اپنے سر لیا اگرچہ اس کا اس پر کچھ مطالبہ نہیں لیکن جبکہ حویل محیل کا مدیون نہ ہو اور محیل کا حوالہ مان کر اس کا دین محتال کو

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحوالہ مسائل شتّٰی نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۳۰۵

ادا کرے تو اسی قدر محیل سے واپس لے گا کہ میں نے تیرے کہے سے تیرا دَین ادا کیا ہے اور اگر محتال حویل کو دَین ہبہ کردے یا کہے میں نے وہ دَین تیرے لئے چھوڑ دیا جب بھی حویل محیل سے بھر والے گا کہ ہبہ ہونا بھی ادا ہوجانے کی مثل ہے۔ فتاوٰی عالمگیریہ میں ہے:

شرائطہا انواع بعضہا یرجع الی المحتال علیہ ومنہ رضاہ وقبول الحوالۃ سواء کان علیہ دین اولم یکن عند علمائنا رحمہم اللہ تعالٰی کذا فی المحیط[1] اھ ملتقطا۔

حوالہ کی شرطیں کئی قسم کی ہیں، ان میں سے بعض محتال علیہ کی طرف لوٹتی ہیں جن میں سے محتال علیہ کی رضامندی اور حوالہ کو قبول کرنا ہے چاہے اس پر قرض ہو یا نہ ہو، یہ ہمارے علماء کے نزدیک ہے رحمۃ اللہ تعالٰی علیہم، یونہی محیط میں ہے اھ التقاط (ت)

اسی میں ہے:

اذا ادی المحتال علیہ الی المحتال لہ اووہبہ لہ اوتصدق بہ علیہ اومات المحتال لہ فورثہ المحتال علیہ یرجع فی ذلک کلہ علی المحیل ولو ابرأ المحتال لہ المحتال برئ ولم یرجع علی المحیل کذا فی الخلاصۃ واذا قال للمحتال علیہ قد ترکتہ لک کان للمحتال علیہ ان یرجع علی المحیل کذا فی خزانۃ الفتاوٰی[2]۔

جب محتال علیہ، محتال لہ کو قرض ادا کردے یا محتال لہ وہ قرض محتال علیہ کو ہبہ کرے یا اس پر وہ قرض صدقہ کردے یا محتال لہ مرجائے اور محتال علیہ اس کا وارث بن جائے تو ان تمام صورتوں میں محتال علیہ محیل کی طرف رجوع کرے گا اور اگر محتال لہ نے محتال علیہ کو قرض سے بری کردیا تو وہ بری ہوگیا اور اب محیل کی طرف رجوع نہیں کرسکتا۔ یہ خلاصہ میں ہے۔ اور محتال لہ نے محتال علیہ سے کہا کہ میں نے وہ قرض تیرے لئے چھوڑ دیا ہے تو اس صورت میں محتال علیہ کو محیل کی طرف رجوع کا حق ہے جیسا کہ خزانۃ الفتاوٰی میں ہے۔ (ت)

ردالمحتار میں ہے:

المحتال لہ لو ابرأ المحال علیہ لم یرجع

اگر محتال لہ نے محتال علیہ کو قرض سے بری کردیا تو

---

[1] فتاوٰی ہندیہ کتاب الحوالہ الباب الاول نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۲۹۵-۹۶
[2] " " " الباب الثانی " " " ۳/ ۲۹۸

علی المحیل وان کانت بامرہ کالکفالۃ ولو وھبہ رجع ان لم یکن للمحیل علیہ دین وتمامہ فی البحر[1]

محتال علیہ محیل کی طرف رجوع نہیں کرے گا اگرچہ اس کے امر سے ایسا ہوا ہو، اور اگر محتال لہ نے قرض محتال علیہ کو ہبہ کردیا تو محتال علیہ محیل کی طرف رجوع کرسکتا ہے بشرطیکہ محیل کا اس پر قرض نہ ہو، اس کی مکمل بحث بحر میں ہے۔ (ت)

اب فرض کیجئے کہ گورنمنٹ نے کسی خدمتگاری کے صلہ میں دس ہزار روپے کا نوٹ آپ کو انعام دیا ایک بنئے نے رشپے دے کر وہ نوٹ آپ سے خرید لیا پھر کسی موقع پر اس نے گورنمنٹ کی نذر کردیا اب وہی صورت آگئی آپ بنئے کے محیل تھے اور بنیا محتال اور گورنمنٹ حویل۔ اور ظاہر ہے کہ گورنمنٹ آپ کی مدیون نہ تھی آپ بنئے کے مدیون تھے آپ نے اپنا دَین نوٹ دے کر گورنمنٹ پر اتار دیا تھا اور گورنمنٹ نے اپنے قانون عام سے کہ جو نوٹ لائیگا روپیہ پائے گا حوالہ قبول کرلی اور بنئے نے نوٹوں کا روپیہ یعنی وہ دَین گورنمنٹ کو نذر کردیا ہبہ کردیا ترک کردیا تو لازم کہ گورنمنٹ چاند ٹھونک کر آپ سے دس ہزار وصول کرسکے اس سے آپ کو حوالہ ماننے کا مزہ آجاتا کہ نوٹ کے نوٹ غائب اور دس ہزار کھوپڑی پر واجب، بحمد اللہ اس سفاہت کا بہت طرح رَد ہوسکتا ہے مگر آپ کے حوالہ کی مٹی پلید کرنے کو، تلك عشرۃ کاملۃ[2] (یہ پورے دس ہیں۔ ت) یہ پورے دس کیا کم ہیں وباللہ التوفیق۔

یازدہم تمام جہان تو نوٹ کو مال مانے ہوئے ہے آپ کو اس میں کیا دکھتی سُوجھی ہے کہ وہ کچھ محالات اوڑھے عالم بھر کی آنکھوں میں خاک جھونکئے مگر اسے مال ماننا منظور نہیں آپ کی روش تو یہ تھی کہ جو امر محمد رسول اللہ صلے اللہ تعالےٰ علیہ وسلم و سائر محبوبانِ خدا جل وعلا کی تعظیم ومحبت کا پہلو لئے ہوئے ہو اس میں اپنے حد کی تنگی دکھاؤ بنے نہ بنے شرک کفر حرام گاؤ اور اپنے معتقدوں کے لئے ذرائع اکل ومعاش میں خوب وسعت لاؤ، کوا کھانا حلال بلکہ ثواب[3] (دیکھو جلد ۲ ص ۱۰۹) بکرے کے خُصیے کھانا حلال[4] (دیکھو جلد ۳ ص ۱۹۰) تعجب ہے کہ اسے ثواب نہ لکھا، کوا کالا یہ گورے گورے، ان میں تو گنگوہی شریعت سے بڑا چکنا ثواب چاہیے تھا، پاخانہ اٹھانے کی اُجرت مباح خالص حلال طیب جس میں

---

[1] ردالمحتار کتاب الحوالہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۴/ ۲۸۹

[2] القرآن الکریم ۲/ ۱۹۶

[3] فتاوٰی رشیدیہ کتاب الحظر والاباحۃ محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۴۹۳

[4]

کراہت درکنار کراہت کا شبہہ بھی نہیں بھنگی نے پاخانہ اُٹھا کر جو مال کمایا ایسا مقدس ہے کہ اسے تعمیرِ مسجد میں صرف کرنا بھی درست ہے[1] (دیکھو جلد اول ص ۱۰۵) واقعی آپ جیسے مقدسوں کے کھانے پہننے اور آپ حضرات کی مساجد ملوثہ بیدعات توہین وتنقیص کے لائق ایسی ہی کمائی تھی ؎

ہر شکم و لقمہ شایان او

(ہر پیٹ کی شان کے مطابق لقمہ چاہیے۔ ت)

غرض ذرائع دنیا میں اپنوں کے لئے آپ کی یہ وسعت تھی نوٹ کی خرید و فروخت اور اسے مال سمجھنے میں کون سا حصہ تعظیم و محبت محبوبانِ خدا پایا جسے باطل کرنا آپ پر لازم ہوا وجہ تو بتا ئیے کہ یہ تمام عالم کا اسے مال ماننا کیوں نہ مقبول ٹھہرا ثمن اصطلاحی ٹھہرانے میں اصطلاحِ قوم و ملک پر کاربندی واجب ہوتی ہے یہاں جملہ اقوام و تمام ممالک عالم اپنی اصطلاح روشن طور پر بتا رہے ہیں اور آپ ہیں کہ ایک نہ ہزار نہ۔ کوئی یہ تو پُوچھے کہ آپ ہیں کون اصطلاح جملہ جہاں میں دخل دینے والے نوٹ کی مالیت کا ثبوت رسالہ میں ص ۱۲۶ سے ص ۱۳۲ تک سوجھے۔

دوازدہم پیسوں میں نیت تجارت کی حاجت اس وقت ہے جب وُہ ثمن ہو کر نہ چلتے ہوں ورنہ ثمن میں ہرگز نیتِ تجارت کی حاجت نہیں اگرچہ ثمن اصطلاحی ہو نہ خلقی، غنیہ ذوی الاحکام و ردالمحتار وغیرہما میں ہے:

الفلوس ان کانت اثمانا رائجۃ او سلعا للتجارۃ تجب الزکوٰۃ فی قیمتہا والا فلا۔[2]

پیسے اگر ثمن ہوں اور رائج ہوں یا سامان تجارت ہوں تو ان کی قیمت میں زکوٰۃ واجب ہے ورنہ نہیں۔ (ت)

درمختار و بحرالرائق و نہرالفائق میں ہے:

ما غلب غشہ یقوم کالعروض ویشترط فیہ النیۃ الا اذا کانت اثمانا رائجۃ۔[3]

جس میں ملاوٹ غالب ہو اس کی قیمت لگائی جائیگی جیسے سامان کی قیمت لگائی جاتی ہے اور اس میں نیت تجارت شرط ہے سوائے اس کے کہ وُہ ثمن رائج ہوں۔ (ت)

---

[1] فتاویٰ رشیدیہ کامل | باب احکام المساجد | محمد سعید اینڈ سنز کراچی | ص ۴۰۸

[2] ردالمحتار | کتاب الزکوٰۃ | باب زکوٰۃ المال | داراحیاء التراث العربی بیروت | ۲/ ۳۲

[3] درمختار | " | " | مطبع مجتبائی دہلی | ۱/ ۱۳۵

شامی میں ہے :

ماکان ثمنا رائجا تجب زکاتہ سواء نوی التجارۃ اولا[1]۔

جو ثمن رائج ہو اس کی زکوٰۃ واجب ہے چاہے تجارت کی نیت ہو یا نہ ہو (ت)

اسی میں ہے :

عین النقدین لایحتاج الی نیۃ التجارۃ وکذا ماکان ثمنا رائجا[2]۔

عین نقدین (سونا اور چاندی) میں تجارت کی نیت کی حاجت نہیں اسی طرح جو ثمن رائج ہو۔ (ت)

بحرالرائق میں کُتبِ کثیرہ سے ہے :

ان غلب الغش فلیس کالفضۃ کالستوقۃ فینظران کانت رائجۃ اونوی التجارۃ اعتبرت قیمتھا فان بلغت نصابا وجبت فیھا الزکوٰۃ والافلا[3] ملخصا۔

اگر ملاوٹ (کھوٹ) غالب ہو تو وہ چاندی کی طرح نہیں جیسے کھوٹے روپے، پھر دیکھا جائیگا کہ وہ رائج ہیں یا ان میں نیت تجارت ہے تو ان کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا، اگر وہ نصاب کو پہنچے تو اس میں زکوٰۃ ہے ورنہ نہیں (ت)

ص ۱۳۷ دیکھئے کہ اسی پر فتوٰی ہے ایک اُدھر روایت نُقول میں آجانا اور محل و محل نہ دیکھنا اور راجح و مرجوح و شاذ و مشہور میں فرق نہ کرنا فقاہت نہیں ہوتا مگر حضرات وہابیہ کے نصیبوں تو فقاہت بحمداللہ نصیبِ دشمناں ہے۔ ان وجوہِ قاہرہ کے علاوہ اس دوسطری تحریر گنگوہیت خمیر میں اور بھی مواخذات ہیں مثلاً :

(۱۳) نوٹ نقدین بتایا یعنی نوٹ سونا چاندی ہے اور پھر اسی مُنہ میں یہ کہ تمسک ہے۔

(۱۴) تمسک کو کہنا کہ اس پر زکوٰۃ ہے حالانکہ تمسک سرے سے مال ہی نہیں، نہ اس کے عدم و وجود کو زکوٰۃ کے وجوب و عدم میں کچھ دخل۔

(۱۵) نوٹ کے مبیع سمجھنے پر اس کی زکوٰۃ نہ دینے کی بنا سمجھنا، کیا مبیع پر زکوٰۃ نہیں ہوتی، ابھی تو آپ پیسوں کو مبیع کہہ کر بحالِ نیت تجارت زکوٰۃ واجب مان چکے ہیں۔

---

[1] ردالمحتار کتاب الزکوٰۃ باب زکوٰۃ المال داراحیاء التراث العربی بیروت ۲/۳۲
[2] ردالمحتار " " " " ۲/۳۲
[3] بحرالرائق " " " ایچ ایم سعید کمپنی کراچی ۲/۲۲۸

(۱۶) کاغذ کے مبیع سمجھنے کو سخت غلطی کہنا شاید عمر بھر کاغذ خریدنے کا اتفاق نہ ہوا' نہ ان کے گاؤں میں خبر پہنچی کہ دُنیا میں کاغذ بھی بکتا ہے۔

(۱۷) لُطف یہ کہ ابھی تو نوٹ کو اس جرم پر کہ کاغذ ہے مبیع سمجھنا سخت غلطی تھا اور ایک ہی ورق بعد صفحہ ۳، ۷ پر خود فرماتے ہیں کہ "نوٹ خرید کر بھیج سکتا ہے[1]" اے سبحان اللہ! نوٹ تو بک سکتا ہی نہ تھا خریدا کیسے جائے گا مگر حضرت کی اُن عظیم سفاہتوں کے آگے ایسی نزاکتوں کی کیا گنتی ع

ماعلی مثلہ یعد الخطاء

(اس کی مثل پر خطاؤں کا شمار نہیں کیا جاتا۔ ت)

نسأل اللہ العفو والعافیۃ ولاحول ولاقوۃ الا باللہ العلی العظیم۔

ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت مانگتے ہیں، اور گناہ سے بچنے اور نیکی کی طاقت نہیں مگر اللہ تعالٰی کی توفیق سے۔ (ت)

(۱۸) آپ کیا جواب دیں گے اگر کوئی آپ کی پچھلی نزاکت پر کہے کہ جب آپ نے اس عقد کو کہ لفظ میں نیت میں قصد میں فہم میں قطعاً بیع تھا تمام جہان کے فہم و ارادہ کے خلاف کا یا پلٹ کر کے حوالہ تراش لیا تو آپ اب کس منہ سے کہتے ہیں کہ کم زیادہ پر بیع کرنا ربا و ناجائز ہے زیادہ پر بیع کا یہ حاصل کیوں نہیں ٹھہراتے کہ زید نے جو عمرو کے ساتھ سو روپے کا نوٹ سوا سو روپے کو بیچا ہے یہ بیع نہیں سوا سو کا سو سے بدلنا نہیں کہ ربا ناجائز ہو بلکہ زید نے عمرو سے سوا سو قرض لئے ہیں اور زید کے گورنمنٹ پر سو آتے تھے وہ اس پر اتار دیئے رہے پچیس وہ عمرو نے زید کو چھوڑ دیے اور اس میں کون سا ربا ہے، فتاوٰی امام قاضی خان سے رسالہ کے صفحہ ۲، ۷ میں گزرا،

فان اراد الحیلۃ یستقرض من المشتری اثنی عشر درھم مکسرۃ ثم یقضیہ عشرۃ جیاداثم ان المقرض یبرئہ عن درھمین فیجوز ذٰلک[2]۔

اگر حیلہ کا ارادہ کرے تو مشتری سے بارہ[2] درہم ٹوٹے ہوئے قرض لے پھر دس کھرے درہم اس کو واپس دے اور قرض دہندہ باقی دو درہموں سے اس کو بری کر دے تو یہ جائز ہے۔ (ت)

---

[1] فتاوٰی رشیدیہ باب الربٰو محمد سعید اینڈ سنز کراچی ص ۴۲۱

[2] فتاوٰی قاضی خان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربٰو نولکشور لکھنؤ، انڈیا ۲/ ۴۰۷

نیز خانیہ سے اس کے متصل گزرا،

فان اراد الحیلۃ یاخذ التسعۃ بالتسعۃ ویبرئہ عن الدرھم الباقی۔[1]

اگر حیلہ کرنا چاہے تو نو درہم نو درھموں کے بدلے میں لے لے اور باقی ایک درہم سے اس (مقروض) کو بری کردے۔ (ت)

اگر کہئے یہ قرض بشرط ابراء عن البعض ہُوا تو **اولاً** کیوں نہ کہئے کہ جب سرے سے سَو کا نوٹ لے کر سوا سَو دے رہا ہے تو قرض بعض وہبۂ بعض ہوا پھر اگر زیادت ممتازہ یا تبعیض مضر ہو جب تو بلا خدشہ جائز و صحیح وروا ہے اور آپ کا حکم باطل و پادرہوا ہے ورنہ غایت یہ کہ بوجہ شیوع ناتمام ہو، ربا کہاں سے آیا۔

ثانیاً قرض شروطِ فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا بلکہ شرط باطل ہو جاتی ہے تو یہ کہئے کہ زید پر پچیس روپے اور واجب رہے نہ کہ سُود ہوا،

فافھم ان کنت تفھم لکنک تفھم انك لاتفھم۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم۔

تو سمجھ لے اگر تُو سمجھتا ہے لیکن تو سمجھتا ہے کہ بیشک تو نہیں سمجھے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم (ت)

رَدِّ وہم

بحمد اللہ تعالٰی مولوی صاحب لکھنوی کے رَد میں کلام مشبع گزرا مسئلہ یازدہم خاص انھیں کے رَد میں تھا بلکہ کتاب کا اکثر حصہ ان کے رَد میں ہے یہاں غالباً ان کا پتا دینے پر اکتفا ہو، مولوی صاحب کی جلد دوم فتوٰی نمبر ۱۲۶:

قولہ ھوالمصوب[2] (وُہ درست بنانے والا۔ ت)

اقول (میں کہتا ہوں) مولوی صاحب کی عادت ہے کہ ہر جواب سے پہلے یہی لفظ لکھتے ہیں حالانکہ **اولاً** اللہ عزوجل پر اس نام کا اطلاق وارد نہیں ہوتا۔

ثانیاً معنٰی لغت بھی اس کے مساعد نہیں لغت میں مُصَوِّب وُہ ہے جو دوسرے کی بات ٹھیک بتائے، نہ وہ جو اس کی بات کو ٹھیک بنائے یعنی اسے توفیقِ صواب بخشے، تصویب بعد وقوعِ قول

---

[1] فتاوٰی قاضیخان کتاب البیوع باب فی بیع مال الربٰو نولکشور لکھنؤ انڈیا ۲/ ۴۰۷

[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب الاکل والشرب مطبع یوسفی لکھنؤ انڈیا ۲/ ۱۱۵

ہوتی ہے اور توفیقِ صواب اس سے مقدم۔

ثالثاً اس کے اور معنی بھی ہیں کہ باری عزوجل پر محال ہیں، مصوّب وہ جو سر جھکائے ہوئے ہو، مصوّب وہ سوار کہ گھوڑا تیز چلائے۔ قاموس میں ہے:

صوبہ قال لہ اصبت و راسہ خفضہ[1] — صَوَّبَہٗ کسی کو کہا کہ تُو نے ٹھیک بات کی، صوب راسہٗ اس نے سر جھکایا۔ (ت)

تاج العروس میں ہے:

صوبت الفرس اذا ارسلتہ فی الجری[2] — صوّبت الفرس یعنی میں نے گھوڑے کو تیز دوڑایا۔ (ت)

ہاں مصوّب وُہ بھی ہے کہ دوسرے کا سر نیچا کرے یا بلندی سے پستی میں اتارے۔ تاج العروس میں ہے:

التصویب خلاف التصعید و من قطع سدرۃ صوب اللہ راسہ فی النار ای نکسہ[3] اھ مختصرا۔ — تصویب، تصعید کے خلاف ہے اور جس نے بیری کا درخت کاٹا اللہ تعالٰی نے اس کا سر آگ میں جھکا دیا اھ مختصراً (ت)

یہ اگر ہوتا تو مثل خافض رافع سے جدا نہ بولا جاتا کما فی کتاب الاسماء والصفات للامام البیہقی (جیسا کہ امام بیہقی کی کتاب الاسماء والصفات میں ہے۔ ت) پھر جبکہ مضاف الیہ مذکور نہیں تو امثال مقام میں خود متکلم کی طرف اس کی اضافت مفہوم ہوتی ہے جیسے ھوالھادی (وہی ہدایت دینے والا ہے۔ ت) سے شروع کرنا اس پر دلالت کرتا ہے کہ قائل اپنے لئے ہدایت مانگتا ہے اس تقدیر پر یہ کیا دُعا ہوئی کہ الٰہی! قائل کا سر نیچا کر دے، الٰہی! اُسے پستی میں ڈال دے۔ یہ بحث اگرچہ مسئلہ نوٹ سے جُدا تھی مگر منکر یا ناپسندیدہ پر اطلاع دینا مناسب ہے وباللہ التوفیق۔

قولہ نوٹ ہر چند کہ خلقۃً ثمن نہیں مگر عرفاً حکمِ ثمن میں ہے۔[4]

---

[1] القاموس المحیط	فصل الصاد من باب الباء	مصطفی البابی مصر	۱/۹۷
[2] تاج العروس	"	داراحیاء التراث العربی بیروت	۱/۳۴۱
[3] "	"	"	"
[4] مجموعہ فتاوٰی	کتاب البیوع	مطبع یوسفی لکھنؤ	۱/۳۹۷

اقول اوّلاً یونہی اکنیاں اور پیسے بھی، پھر اس سے کیا حاصل ہوا۔

ثانیاً اگر یہ مراد کہ اہلِ عرف اس کے لئے ثمن کے جملہ احکام شرعیہ ثابت کرتے ہیں تو صریح غلط بلکہ عامہ اہلِ عرف ان احکام سے آگاہ بھی نہیں بلکہ یہ عرف مومنین و کافرین میں مشترک، اور اگر یہ مقصود کہ ثمن سے جو اغراض اہلِ عرف متعلق ہیں ان سب میں نوٹ کو اُسی کا قائم مقام سمجھتے ہیں جب بھی غلط۔ ثمن کے مقاصد سے ایک عمدہ مقصد لباس میں تزین ظروف وغیرہا میں تجمل ہے، اور نوٹ ہرگز اس میں قائم مقام ثمن نہیں، اور اگر یہ مطلب کہ ثمن کے بعض اغراض یعنی تموّل اور حوائج تک اس کے ذریعہ سے توسل میں نائب مناب جانتے ہیں تو ثمن اصطلاحی کے معنی ہی یہ ہیں کہ اہلِ عرف اپنی اصطلاح سے ان اغراض میں اُسے مثل ثمن کام میں لائیں پھر اس سے جملہ احکام شرعیہ ثمن کا ثبوت کیونکر ہوگیا کیا ثمن خلقی و اصطلاحی میں شرعاً فرق احکام نہیں۔

ثالثاً حکم شئی میں ہونا جنس و قدر شئی میں شئی سے اتحاد نہیں اور یہاں بتصریح حدیث و جملہ کتبِ فقہ اسی پر مدار ہے۔

قولہ بلکہ عین ثمن سمجھا جاتا ہے[1]

اقول اوّلاً ثمن اصطلاحی سے عینیت مثل اتحاد خاص و عام مسلّم مگر وہ آپ کو مفید نہیں اور ثمن خلقی یعنی زر و سیم سے عینیت مسلّم نہیں کوئی سمجھ والا بچہ بھی نہیں سمجھتا کہ نوٹ بعینہٖ چاندی سونا ہوگیا، اگر کہئے مراد یہ ہے کہ لین دین میں اسے ایسا ہی سمجھتے ہیں جیسے روپیہ اشرفی، تو یہ وہی عرفاً حکم ثمن میں ہونا ہوا نہ کہ عین ثمن سمجھا جانا، تو "بلکہ" لغو بلکہ غلط ہوا۔

ثانیاً نوٹ بداہۃً ثمن اصطلاحی ہے اور اصطلاحی و خلقی متباین اور متباینین میں عینیت محال اور اہلِ عرف مجانین نہیں اور تاویل مذکور "بلکہ" سے مہجور۔

ثالثاً اگر بفرضِ غلط اہلِ عرف ایسا سمجھ بھی لیتے تو شرع مطہر تو عندیہ کا مذہب جنون روا نہیں رکھتی کہ ان کے سمجھ لینے سے خود بھی اسے عین ثمن قرار دے کر جملہ احکام ثمن نافذ فرما دے۔

رابعاً ثمن خلقی جنس ہے دو قسم ذہب و فضہ میں منحصر، اور نوٹ فی نفسہٖ ایک نوع مستقل ہے، اس کا عین مفہوم کلی معنی جنس سمجھا جانا تو بداہۃً باطل، اسی طرح انواع مباینہ و متباینہ سے عینیت اور جنس سے اتحاد خاص و عام کی عینیت تثلیث کرے گی اور وہ شرعاً باطل ہونے کے علاوہ مقصود پر نقص سے عود کرے گی کہ انواع مختلفہ ثمن میں بتصریح حدیث اجماعِ امت تفاضل حلال۔

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۲۹۷/۱

قولہ اس وجہ سے کہ اگر نوٹ سَو روپے کا کوئی ہلاک کرے تو اصل مالک سَو روپے تاوان لیتا ہے[1]

اقول اولاً اگر کوئی سَو روپے کا گھوڑا ہلاک کرے جب بھی مالک سو روپے تاوان لیتا ہے تو کیا گھوڑا اور روپے بھی عین ہوگئے اور پھر نوٹ بھی گھوڑا ہوجائے گا کہ عین کا عین ہے اور لفظ اصل حشو ہے۔

ثانیاً یہ تو ظاہر عبارت پر تھا اب حل سُنئے "لیتا ہے" سے بخوشی لینا مراد یا یہ کہ وہی حکم شرع ہے کہ اس پر جبر ہوگا اول مسلّم اور اس سے وہم عینیت مدفوع، اور اگر فرق نہ سمجھنے کا پیوند لگائیے جب بھی لایغنی من جوع کوئی ۶۴ پیسے کسی کے تلف کردے تو مالک بخوشی ایک روپیہ لے لے گا اور اس میں اور ۶۴ پیسے لینے میں کچھ فرق نہ سمجھے گا اس سے روپیہ اور پیسے متحد نہ ہوگئے اور ثانی میں جبر متلف پر ہے یعنی اسے روپے ہی دینے پر مجبور کرینگے یا مالک پر کہ اسے قبول زر پر جبر کرینگے اول صراحۃً باطل، وہ سَو کا نوٹ بھی دے سکتا ہے اور مالک کو انکار کی کوئی وجہ نہیں بلکہ وہی حکم اصلی ہے کہ نوٹ مثلی ہے معہذا یہ مقصود پر نص کے ساتھ عائد ہوگا کہ اتلاف نوٹ میں اداے دراہم پر جبر ہو تو نوٹ قیمتی ٹھہرے اور روپیہ مثلی ہے اور قیمت و مثلی ایک نہیں سمجھے جا سکتے اور ثانی بر تقدیر تسلیم مفید عینیت نہیں کہ اثمان رائجہ میں بحال تساوی رواج و مالیت اداکرنیوالا مخیر ہوتا ہے اور انکار تعنت۔ اس کا بیان رسالہ کے ص ۸۵ اسے ۱۹۰ تک دیکھئے۔

قولہ اور سَو روپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے تو مقصود اس سے قیمت ملنا اُس کاغذ کی نہیں ہوتی ہے کیونکہ پُرظاہر ہے کہ وہ کاغذ دو پیسہ کا بھی نہیں ہے بلکہ مقصود سَو روپے کا بیچنا اور اس کی قیمت لینا ہوتا ہے[2]

اقول (۱۳ تا ۱۷) اس کے پانچ رد حاشیہ ص ۱۸۴ میں گزرے، اور (۱۸ تا ۲۲) وہ جو کہا کہ وہ کاغذ دو پیسہ کا بھی نہیں اس کے بھی پانچ رد گزرے چار صفحہ ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۸، ۱۲۹ پر، اول یہ کہ حسب تصریح علماء کاغذ کا ایک ٹکڑا صرف عاقدین کی تراضی سے ہزار روپے کو بک سکتا ہے نہ یہ کہ یہاں لاکھوں آدمیوں کی اصطلاح۔ دوم سکہ قیمتی ہے، سوم حقیر شئی کسی وصف کے سبب اپنے ہزاروں امثال سے گراں ہوجاتی ہے، چہارم ورق علم کا مسئلہ اور پانچواں رد صفحہ ۱۳۸ و ۱۳۹ پر کہ تقوم

---

[1] و [2] مجموعہ فتاوی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۳۹۷

میں حال پر نظر ہے نہ کہ اصل پر۔

قولہ اور نوٹ سو روپے کا اگر کوئی شخص قرض لے تو بوقتِ ادا خواہ نوٹ سو روپے کا دیوے یا سو روپے دیوے دونوں امر مساوی سمجھے جاتے ہیں اور دائن کو کسی کے لینے میں مدیون سے عذر نہیں ہوتا حالانکہ اگر مدیون غیر جنس بوقت ادا دیوے تو دائن نہیں لیتا ہے[1]

اقول اوّلاً پندرہ روپے اگر کوئی قرض لے تو وقتِ ادا پندرہ روپے دے یا ایک ساورن دونوں امر مساوی سمجھے جاتے ہیں اور دائن کو کسی کے لینے میں عذر نہیں ہوتا حالانکہ مدیون غیر جنس دے تو دائن نہیں لیتا تو آپ کے نزدیک روپے اور اشرفی یعنی چاندی اور سونا بھی جنس واحد ہوئے اور قدر تو متحد تھی ہی تو فرض قطعی ہوا کہ سونا جب چاندی سے بیچیں دونوں کانٹے کی تول برابر کرلیں رتی بھر کمی وبیشی ہوئی تو سود حرام وگناہ کبیرہ واستحقاق نارجحیم وعذاب الیم ہوگا یہ اجماع قطعی جمیع امت مرحومہ و تواتر قطعی وعقل جملہ عقلائے عالم سب کے خلاف ہے۔

ثانیاً آٹھ آنے پیسے اگر کوئی قرض لے تو وقتِ ادا پیسے ہی دے یا آٹھ اکنیاں یا ایک اٹھنی تینوں امر مساوی سمجھے جاتے ہیں دائن کو کسی کے لینے میں عذر نہیں ہوتا حالانکہ مدیون غیر جنس دے تو دائن نہیں لیتا تو چاندی اور تانبا بھی جنس واحد ہوئے اور چاندی اور سونا پہلے متحد ہوچکے ہیں تو تانبا اور سونا بھی ایک جنس ہوئے کہ متحد کا متحد متحد ہوتا ہے اور ان سب میں قدر تو متحد تھی ہی تو فرض قطعی ہوا کہ تولہ بھر سونا دو ہی پیسے کو بیچا جائے ایک چھدام بھی زیادہ ہوا تو سود کا سامنا اور جہنم کی آگ ہے والعیاذ باللہ تعالٰی، اور تو کیا عرض کروں لیکن صراف اگر اس فتوے پر عمل کرلیں تو بازار تو ایک ہی دن میں پٹ جائے۔

ثالثاً پندرہ روپے کے نوٹ اگر کوئی قرض لے ایک دس اور ایک پانچ کا، یا تینوں پانچ پانچ کے، تو وقتِ ادا خواہ پندرہ کے نوٹ دے یا ایک ساورن، دونوں مساوی سمجھے جاتے ہیں اور دائن کو کسی کے لینے میں عذر نہیں ہوتا حالانکہ مدیون غیر جنس دے تو دائن نہیں لیتا تو اب نوٹ اور سونا ایک جنس ہوئے اور آپ نوٹ اور چاندی ایک جنس کرچکے ہیں اور چاندی اور سونا قطعاً دو جنس متباین ہیں ولہذا باجماع امت وتواتر قطعی ان میں تفاضل روا ہے تو شئی واحد دو نوع متباین سے کیونکر متحد ہوگئی۔ ظاہر ہوا کہ اس عذر نہ ہونے کو مفید اتحاد جنس سمجھنا سخت وہم باطل تھا بلکہ اس کی

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۳۹۷

وجہ وہی تساویِ رواج ومالیت ہے جس کا بیان صفحہ ۹۷ سے صفحہ ۱۰۱ تک گزرا۔

رابعًا حل یہ ہے کہ بے عذری یعنی قبول ذی حق واتحادِ جنس میں عموم خصوص من وجہ ہے کہیں اتحادِ جنس ہے اور قبول نہیں جیسے سونے کا گہنا خریدنے والا اس کے بدلے اشرفیاں نہ لے گا اور کہیں قبول ہے اور اتحادِ جنس نہیں جیسے پندرہ روپے اور اشرفی، روپے اور نوٹ، نوٹ اور اشرفی، اٹھنی اور پیسے، اٹھنی اور اکنیاں اور مادہ اجتماع ظاہر ہے تو ایک کے وجود سے دوسرے کے حصول پر استدلال ایسا ہے کہ یہ کاغذ ابیض ہے لہٰذا حیوان ہے کوا حیوان ہے لہٰذا ابیض ہے ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

خامسًا یہ شبہہ وہی ہے جو نوٹ ہلاک کرنے پر فرمایا تھا وہاں اہلاک سے ضمان آئی تھی یہاں قرض سے، بات ایک ہی ہے اور یہی مولوی صاحب کے سارے شبہہ کی جڑ ہے اس غرض کے لئے کہ کچھ تو شاندار ہوجائے اسے بار بار دو ایک لفظ بدل کر فرماتے ہیں ہاں بیان میں اتنا فرق ضرور ہُوا کہ پہلی عبارت نہایت ناقصہ قاصرہ تھی مگر پوری بات اب بھی ادا نہ ہوئی عذر نہ ہونا عذر نہ ہو سکنے کو مستلزم نہیں اور ممکن کہ بوصف تغایر جنس کسی غرض و وجہ خاص کے سبب عذر نہ ہوں ہاں عذر نہ ہوسکنا کچھ وہم ڈالتا مگر ہم انھیں صفحات میں بحرالرائق و ردالمحتار سے اس کا ازالہ کر آئے کہ شرعًا بھی باوجود مغایرت جنس ہنگام استوائے رواج ومالیت قبول پر جبر کیا جاتا ہے اور عذر تعنت قرار پاتا ہے تو اب جڑ کا شبہہ جڑ سے اکھڑ گیا وللہ الحمد۔

سادسًا طرفہ یہ ہے کہ ابھی تو نوٹ کو بے قدر ٹھہرا کر کہ وُہ کاغذ دو پیسے کا بھی نہیں اسے معاملہ سے جُدا اور خود روپوں پر ورودِ عقد بیان کرچکے ہیں اور یہ بلافصل اُس کے متصل ہی نوٹ پر ورودِ عقد اور اس کے عین جنس نقد بنادینے کی کوشش ہو رہی ہے یہ تناقض کتنا بالطف ہے۔

سابعًا میں ایک ہی تناقض کہہ رہا ہوں وہاں پہلے فقرے میں نوٹ کو سو روپے کا مال بنایا جس کا تاوان سو روپے آیا دُوسرے فقرہ میں اسے موارد عقد سے جلاوطن ہونے کا حکم فرمایا کہ حقیقۃً روپے بکتے ہیں وہ کاغذ تو ٹکے کا بھی نہیں، تیسرے فقرہ میں وہی کاغذ جو کروٹ لے تو پھر سو روپے کا بلکہ سو روپے سے متحد الجنس ہوگیا۔

ثامنًا لطف یہ کہ دعوٰے تو وہ فرمایا کہ نوٹ عین ثمن سمجھا جاتا ہے اور اخیر تک بار بار اسی کی تکرار ہوگی اور اُس کے دلائل میں یہ کہ روپیوں کا بیچنا مقصود ہوتا ہے نہ اس کاغذ کا، اور ہر شخص جانتا ہے کہ نوٹ نہیں مگر یہ کاغذ تو اگر نوٹ عین ثمن سمجھا جاتا خود اس کاغذ ہی کا بیچنا مقصود ہوتا نہ کہ روپیوں کا تو دلیل مناقض دعوٰی ہے فافہم (پس تو سمجھ)۔

عہ اس طرف اشارہ ہے کہ ان تین اور ۱۳ تا ۲۲ میں اکثر سے عذرخواہی کیلئے (باقی اگلے صفحہ پر)

قولہ بخلاف پیسوں کے کہ وہ بھی اگرچہ عرفاً ثمن ہیں مگر یہ کیفیت اُن کی نہیں، اگر ایک روپے کے عوض میں کوئی چیز خریدے یا ایک روپیہ کسی سے قرض لے اور وقتِ ادا پیسے ایک روپے کے دے تو دائن اور فروخت کنندہ کو اختیار رہتا ہے کہ وہ لے یا نہ لے اور حاکم کی طرف سے اس پر جبر نہیں ہو سکتا کہ خواہ مخواہ وہ پیسے لے لے۔[1]

اقول اولاً خلاف منصوص ہے جیسا کہ گزرا۔

ثانیاً مشاہدہ کے خلاف اور یوں اعتبار نہ آئے تو اس کا عکس کر دیکھئے کہ ۶۴ پیسے قرض لئے یا ثمن قرار دیئے ہوں اور ایک روپیہ دے تو دائن و بائع کو ہرگز کچھ عذر نہیں ہوتا بے تکلف قبول کر لیتا ہے اور عذر کرے تو متعنت ہے اور متعنت کی بات مردود۔

ثالثاً مولوی صاحب چُوکے، سَو روپے کی مثال لاتے تو بات نظرِ عوام میں لگتی ہوئی ہوتی، واقعی جو سَو روپے قرض لے پھر ان کے بدلے چھ ہزار چار پیسے دینا چاہے تو دائن کہے گا کہ میں کہاں سیر بھر چاندی کی جگہ دو من پکّے سے زیادہ تانبا لادتا پھروں صندوقچی کے ایک خانہ کی جگہ پیسوں سے مٹکا بھروں مگر ساتھ ہی دوانی چَوانی، اٹھنی سب نقص کو آموجود ہوتیں ہر شخص جانتا ہے کہ دوانی کا کچھ خرید کر دو آنے پیسے دیجئے تو اصلاً جائے انکار نہیں ہوتی اور جب ریز گاری اور پیسے متحد الجنس ہوئے اور ریزگاری اور روپے ایک جنس ہیں تو روپے اور پیسے بھی ایک جنس ٹھہرے کہ متحد کا متحد متحد ہے بلکہ بالواسطہ عینیت کیوں لیجئے اسی کا عکس دیکھئے ۶۴۰۰ پیسے قرض لئے ہوں اور ادا میں سَو روپے دیئے ابھی دیکھے بلاعذر قبول ہوں گے اور نہ مانے تو خبطی ٹھہرے تو ظاہر ہوا کہ یہاں بنائے عذر امر خارجی ہے مثلاً منوں بوجھ وغیرہ۔

رابعاً اگر ہم آپ کی ارخائے عنان کو مان بھی لیں کہ صحت عذر اگرچہ بعض صور میں ہو، نافی اتحاد جنس ہے، تو اب نوٹ میں اتحاد کی خیر نہیں ادائے قرض کے وقت عذر نہ ہو تسلیم مبیع کے وقت ضرور متصور، زید کو سَو روپے کا نوٹ ڈاک میں بھیجنا ہے کہ ۲۰ کی رجسٹری بس ہوگی اور منی آرڈر ایک

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ)

شاید ایک تاویل گھڑتے کہ ہم نے ھٰذا اشارہ میں صرف ذات من حیث المقدار مراد لی اور مع سائر الاوصاف اسی کو روپے جانا مگر یہ گھڑت کے علاوہ بداہت سے صاف مکابرہ اور دعوٰی پر صریح مصادرہ ہے کما لایخفی، لہذا نہ قابلِ سماعت نہ بعد سماعت اعتراض سے نجات، بات بن جائے یہ بہرحال ناممکن ۱۲ منہ حفظ ربہ۔

روپے میں ہوگا خصوصاً اگر گنگوہی دھرم کا ہوا تو وہ منی آرڈر کو حرام ہی جانے گا اس نے عمرو سے نوٹ خریدا عمرو تسلیم مبیع کے وقت روپے یا بیس میں کی پانچ اشرفیاں دکھائے زید ہرگز نہ مانے گا تو معلوم ہوا کہ نوٹ اور ثمن ایک جنس نہیں۔

قولہ پس پیسے اگرچہ عرفاً ثمن ہیں مگر عین ثمن خلقی نہیں سمجھے گئے ہیں بخلاف نوٹ کے کہ یہ عین ثمن خلقی ہے گو عینیت خلقیہ نہیں بلکہ عینیت عرفیہ ہو[1]

اقول اولاً اس "پس" کا حل بھی وہی ہے جو پیشتر گزرا کہ قبول و اتحاد جنس عام خاص من وجہ ہیں تو جس طرح ایک کے وجود سے دوسرے کے وجود پر استدلال باطل، یوں ہی عدم سے عدم پر آپ کا پہلا استدلال اس طرز کا تھا کہ کوا حیوان ہے لہذا یہ ابیض ہے یہ دوسرا اس رنگ کا ہوا کہ کوا ابیض نہیں لہذا حیوان نہیں۔

ثانیاً آپ نے محنت بہت اٹھائی مگر افسوس کہ دعوی بے دلیل ہی رہا، آپ کو چاہئے تھا کہ اولاً عینیت عرفیہ کا مناط منقح کرتے نہ کہ ایسا جس پر اتنے نقض ہوں۔ ثانیاً اس مناط کا یہاں تحقق پایہ ثبوت کو پہنچاتے۔ ثالثاً کلام ائمہ سے اس کا ثبوت دیتے کہ جہاں عینیت عرفیہ ہو شرع اسے اتحاد جنس مان لیتی ہے اور جب یہ کچھ نہیں تو خرط القتاد سے کیا حاصل۔

ثالثاً ساری کوشش اتحاد جنس کی طرف تو مبذول فرمائی اتحاد قدر کی شرط کہاں بھلائی نرے اتحاد جنس سے تو تفاضل حرام نہیں ہو جاتا اتحاد قدر بھی تو لازم ہے نوٹ سرے سے قدر ہی نہیں رکھتا کہ نہ مکیل ہے نہ موزون بلکہ معدود ہے تو بہزار خرابی اگر اتحاد جنس کا چاک رفو بھی ہو جائے تو اتحاد قدر کا پیوند کدھر سے آئے گا تفاضل تو اب بھی حلال رہا۔

رابعاً رسالہ نے ص ۱۴۷ سے ص ۱۵۷ تک دلیل قاہرہ سے ثبوت دے دیا کہ نوٹ روپیوں کے عوض ادھار بیچنا جائز ہے اگر قدر یا جنس کوئی بھی ایک ہوتی تو نسیہ حرام ہوتا تو ثابت ہوا کہ یہاں اصلاً کچھ متحد نہیں۔

قولہ پس تفاضل بیع فلوس میں جائز ہونے سے یہ نہیں لازم کہ نوٹ بھی جائز ہو جائے کیونکہ پیسے غیر جنس ثمن ہیں حقیقۃً بھی اور عرفاً بھی، گو بوجہ اصطلاح اور عرف کے اس میں صفت ثمنیت کی آگئی ہو[2]

---

[1] و [2] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۳۹۷

اقول اولاً یہ دوسری "پس" اسی پس پیشین کی پس رو ہے جسے پیشتر پسپا کر دیا گیا الشجرۃ تنبئ عن الثمرۃ (درخت پھل کی خبر دیتا ہے۔ ت)

ثانیاً بعینہٖ یہی حال نوٹ کا ہے ولکن لا تعلمون (لیکن تم نہیں جانتے۔ ت)

ثالثاً روپے اور اشرفی کا مسئلہ کہاں بھولے صفحہ ۱۶۳ دیکھئے ایک اشرفی کو ایک روپیہ بیچنا قطعاً درست ہے حالانکہ وُہ تو دونوں یقیناً جنس ثمن ہیں حقیقۃً بھی اور عرفاً بھی، اگر کہئے وُہ جنس ثمن ضرور ہیں مگر باہم تو متباین نوعین ہیں **اقول** یونہی نوٹ بھی، کون عاقل کہے گا کہ روپیہ اور اشرفی دو چیزیں جدا ہیں مگر اشرفی اور نوٹ ایک ہی چیز ہے اور تفصیل تحقیق یہ ہے کہ ثمن ایک جنس ہے جس کے تحت دو جنسیں ہیں، خلقی، اصطلاحی۔ اصطلاحی کی نوعیں نوٹ، پیسے کوڑیاں، اور خلقی پھر ایک جنس ہے جس کے نیچے دو جنسیں ہیں سونا، چاندی۔ شرع میں جنس وہ کلی ہے جس کے افراد مختلفۃ الاغراض ہوں، ظاہر ہے کہ روپے یا اشرفی کی غرض اور ہے اور سونے چاندی کے گہنے کی اور، برتنوں کی اور، گوٹے پٹھے کندلے کی اور، تو نوٹ کہ نوع حقیقی ہے جس کے سبب افراد متفقۃ الاغراض ہیں کسی جنس کا بھی عین نہیں ہو سکتا کہ اتفاق واختلاف متباین ہیں نہ کہ جنس الجنس کا اور دخول تحت الجنس کا حال اوپر گزرا۔

رابعاً جانے دیجئے ثمن خلقی کی نوع سے ہی اتحاد سہی تو دو نوع متباین سے تو متحد نہیں ہو سکتا ورنہ مباین باہم متحد ہو جائیں گے اور شیئ اپنے نفس کی مباین ہو گی ناچار ایک سے اتحاد مانیے گا اور وُہ نہیں مگر روپیہ کہ آپ دس کا نوٹ بارہ روپے کو بیچنا حرام کر رہے ہیں تو اشرفی سے یقیناً متحد نہ ہو گا اب دس روپے کا نوٹ ہزار اشرفی کو بیچنا حلال کیجئے اور دوانی اوپر دس روپے کو بیچنا حرام، دنیا میں اس سے بڑھ کر بھی کوئی عجیب فتوٰی ہو گا۔ دیکھئے رسالہ کا صفحہ ۱۸۸:

قولہ پس ہرگاہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا۔[1]

اقول اولاً اغراض کہئے کہ یہی اہل عرف کے ہاتھ میں ہیں نہ کہ احکام شرعیہ جو نہ اُن کے ہاتھ میں ہیں نہ اُن کے اکثر کو معلوم، نہ اُن کی طرف انھیں التفات بلکہ اکثر کو اُن پر ایمان بھی نہیں تو احکامِ شرعیہ میں اہل عرف کا اسے عین سمجھنا محض کذب اور اپنی اغراض میں یکساں جاننا احکام شرعیہ میں اتحاد کو مستلزم نہیں اور بقیہ کلام رد قولِ اول میں گزرا۔

ثانیاً جیسی عینیت آپ یہاں بتا سکتے ہیں بعینہا ویسی ہی اکنیوں اور پیسوں کو دوانی چوانی اٹھنی

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۷

سے ہے وہاں تفاضل کیوں جائز ہوا۔

ثالثًا روپے اشرفیاں تو خود عین ثمن خلقی ہیں کسی کے سمجھنے پر موقوف نہیں ان میں کیوں درست ہوا۔

قولہ باب تفاضل میں اسی بنا پر حکم دیا جائے گا اور تفاضل اس میں حرام ہوگا۔[1]

اقول اوّلًا یہاں آکر اس تیسری "پس" کا خاتمہ ہوا اور پہلی دلیل نے دم توڑا اگر یہ "پس" پسینہ تو سب پسہائے پیشینہ سے علاقہ بعقل میں پس اور وضوحِ بطلان میں پیش ہے سب خرابیاں اوڑھ کر فرض کرلیجئے کہ ہاں تفاضل حرام ہوا تو وہ تفاضل تو حرام ہوگا جو ثمن خلقی میں حرام تھا جس کا اسے عین سمجھا گیا یا دلیل لاتے وقت تک عینیت تھی اور نتیجہ دیتے وقت غیریت کا یا پلٹ ہوکر کوئی نیا حکم نکالے گی جو ثمن خلقی میں اصلًا نہیں آخر اسی بنا پر تو حکم لگاتے تھے کہ نوٹ ثمن خلقی کا عین ہے تو وہی حکم لازم ہوگا جو ثمن خلقی میں تھا، نہ اس کا غیر کہ حکم لازم شئی ہوتا ہے اور تغیر لازم نافی عینیتِ ملزوم، اب دیکھ لیجئے کہ ثمن خلقی میں کون سا تفاضل حرام ہے قدر میں یعنی کانٹے کی تول وزن میں برابر ہونا لازم اگرچہ مالیت میں کتنا ہی فرق ہو، اب جو آپ سَو روپے کا نوٹ سَو روپے کو بیچنا حلال کر رہے ہیں اپنے طور پر یقینًا سُود حلال کر رہے ہیں کہ سَو کا نوٹ کبھی وزن میں سیر بھر نہ ہوگا، دیکھئے رسالہ ص ۱۹۰ تا ۱۹۲۔

ثانیًا (۴۰ تا ۵۰) تفاضل مالیت کے جواز پر دس دلیلیں رسالہ میں گزریں صفحہ ۱۷۵ تا ۱۸۰ ملاحظہ ہو۔

قولہ فانما الاعمال بالنیات[2] (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔ت)

اقول جناب گرامی نے صفحہ بھر کی دلیل میں محض اپنے تخیلات سے کام لیا کوئی حرف سند میں نہ لائے اور یہ بھی پسند نہ فرمایا کہ دلیل یونہی من گھڑت ہرگز رہ جائے اصلًا سند کا نام نہ آئے لہذا یہ حدیث شریف صرف وزن بنانے دلیل کا بھرم رکھنے کو ذکر فرمادی، اگر عرض کیجئے کہ اسے محل سے کیا علاقہ آپ کی دلیل کے کس مقدمہ کا اس سے ثبوت، تو جواب یہی ہوگا کہ کچھ نہیں مگر آخر حدیث صحیح ہے اس کا پڑھنا ثواب سے تو خالی نہیں اگرچہ محل سے بے علاقہ ہو اسی نیت سے ہم نے لکھ دی وانما الاعمال بالنیات ولکل امرئ مانوی (اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ت) دلیل کا حاصل صرف اتنا ہے کہ نوٹ اہلِ عرف کے نزدیک جمیع احکام میں ثمن خلقی کا عین ہے کچھ تفاوت

---

[1] و [2] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۲/ ۳۹۷

نہیں سمجھتے اور جو جمیع احکام میں بلاتفاوت عین ہو تفاضل میں بھی عین ہوگا کہ یہ بھی ایک حکم ہے لہذا نوٹ میں تفاضل حرام، اس میں کبرٰی تو واضح ہے کہ محتاج استدلال نہیں، اور حدیث کا اس سے بے علاقہ ہونا بھی واضح۔ ساری عرق ریزی ثبوت صغرٰی میں فرمائی ہے جس کی خدمت گزاری گزری کہ ایک حرف بھی ٹھکانے کا نہیں مگر یہ فرمایئے کہ حدیث اس کا کیا ثبوت دیتی ہے اعمال نیتوں پر ہیں اور ہر شخص اور اس کی نیت اس سے کیا ثابت ہُوا کہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں ثمن خلقی کا عین ہیں ہاں یہ کہئے کہ جب اہل عرف نے دیدہ ودانستہ کاغذ کو کاغذ، سیم وزر کو سیم وزر سمجھتے ہُوئے نیت کرلی کہ یہ کاغذ جمیع احکام میں سونے چاندی کا عین ہے تو ان کے حق میں عین ہوگیا کہ اعمال نیت پر ہیں اور ہر شخص اور اس کی نیت۔

اقول نوٹ کا بعینہٖ سونا چاندی ہونا کوئی عمل نہیں، بیع وشراء وغیرہ معاملات عمل ہیں اور نوٹ ان کا محل اور محل تابع نیت نہیں ورنہ عندیہ کا مذہب لازم آئے زوجہ میں ماں ہونے کی نیت اسے حرام ابدی کردے حالانکہ بنص قطعی قرآن اُسے ماں کہنے کی صریح تصریح بھی حرام نہیں کرتی صرف یہ قول باطل و گناہ ہوتا ہے۔

قال تعالٰی الذین یُظٰھرون منکم من نسائھم ماھن امھتھم ان امھتھم الا الّٰئی ولدنھم وانھم لیقولون منکرا من القول وزورا وان اللّٰہ لعفو غفور[1]

اللہ تعالٰی نے فرمایا، تم میں جو اپنی عورتوں کو اپنی ماں کہیں وہ ان کی ماں نہیں ان کی مائیں تو وہی ہیں جن سے وہ پیدا ہیں اور وہ بیشک ضرور بُری اور جھُوٹی بات کہتے ہیں اور بیشک اللہ ضرور معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔

اور عکس کی نیت اور بھی شنیع وناپاک تر ہے یوں ہی اگر بفرض غلط تسلیم کرلیا جائے کہ اہل عرف نے نیت کرلی کہ نوٹ بعینہٖ ثمن خلقی اور بذاتہٖ سونا چاندی ہے تو اُن کی نیت سے نہ وہ کاغذ سے سونا چاندی ہوجائے گا نہ اصطلاحی سے خلقی، ان کا اختیار اصطلاح تک ہے تو اس سے ثمن اصطلاحی ہوگا، نہ خلق وآفرینش پر کہ ثمن خلقی ہوجائے لاتبدیل لخلق اللّٰہ[2] (اللہ تعالٰی کی خلق میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ت) پھر فرمایئے حدیث کو یہاں سے کیا علاقہ ہوا۔

قولہ ولکل امرئ ما نوی[3] (ہر شخص کے لئے وہی ہے جس کی اس نے نیت کی۔ت)

---

[1] القرآن الکریم ۵۸/۲

[2] القرآن الکریم ۳۰/۳۰

[3] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۳۹۷

اقول الحمدللہ حدیث کا یہ جملہ تو ہمیں کو مفید ہے آپ کی خاطر سے پہلا باطل یہ تسلیم کرلیں کہ اہل عرف نے وضو کرکے نیت باندھ لی ہے کہ نوٹ بعینہٖ سونا چاندی ہے دوسرا اس سے بڑھ کر اشد باطل، —— یہ مان لیں کہ دیدہ و دانستہ اُن کی اس غلط نیت سے شرع نے بھی ان کے حق میں اُسے سونا چاندی کردیا، تیسرا سخت باطل یہ اوڑھ لیں کہ شرع نے اسے سونا چاندی مان کر خود سونے چاندی میں جو حکم شرعی تھا کہ تفاضل وزن میں حرام ہے نہ کہ مالیت میں، اس زبردستی کے سونے چاندی میں اسے بالکل پلٹ دیا کہ اس میں تفاضل مالیت میں حرام ہے نہ کہ وزن میں، اب تو بالکل سب گھڑتیں آپ کی من مانتی مان لیں مگر الحمدللہ یہی حدیث بتا رہی ہے کہ اب بھی دس روپے کا نوٹ زید و عمرو باہم سو روپے کو بیچیں مول لیں خواہ ایک روپیہ کو سب حلال۔ جنابِ من! جب یہاں تفاضل کا مبنٰی مالیت پر ٹھہرا اور نوٹ کی یہ مالیت بھی خلقی نہیں محض اصطلاحی ہے آپ خود فرما چکے ہیں کہ وہ کاغذ دو پیسہ کا بھی نہیں تو اہلِ عرف ہی کی اصطلاح و نیت نے اسے دس روپے کا کردیا اور اُن کی اصطلاح و نیت ان دونوں عاقدوں پر حاکم نہیں انھیں اپنی جدا اصطلاح و نیت کا اختیار ہے آپ خود حدیث نقل کرتے ہیں، لکل امرئ ما نوی[۱] (اور ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ت) ہر شخص کے حق میں اس کی اپنی نیت کا اعتبار ہے، نیز رسالہ کا صفحہ ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۳۴، ۱۶۴، ۱۶۵ ملاحظہ ہو، تو جب زید و عمرو نے اپنے معاملہ میں اُس اختیار کی بناء پر جو شرع مطہر نے اُن کو دیا اصطلاح عام کی پیروی نہ کی بلکہ اس سے عدول کرکے جو نوٹ عرف عام نے دس روپے کا ٹھہرایا تھا سَو روپے یا ایک ہی روپیہ کا قرار دیا ان پر اصلاً اس میں مواخذہ نہیں، نہ زنہار مالیت میں کچھ تفاضل ہُوا کہ مالیت بربنائے اصطلاح تھی اُن کے حق میں وہی مالیت ہے جو انھوں نے باہم قرار دے لی اس لئے کہ لکل امرئ ما نوی[۲] (ہر شخص کے لئے وہی کچھ ہے جس کی اس نے نیت کی۔ت) ہر شخص اور اس کی نیت حدیث سے اچھا استدلال کرنے چلے کہ اور لینے کے دینے پڑگئے۔

لطیفہ جلیلہ: یہ چمکتی ہوئی دلیل جسے مولوی صاحب نے گلِ سرسبد بنایا اور آخر میں ھذا ما سنح لی[۳] (یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا۔ت) فرمایا یعنی یہ وہ ہے جو اچانک میرے خیال

---

[۱] و [۲] صحیح البخاری باب کیف کان بدؤ الوحی قدیمی کتب خانہ کراچی ۱/۲

[۳] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۳۹۸

میں آیا مولوی صاحب کی اپنی سعی بازو نہیں بلکہ اسی فقیر بارگاہ قدیر غفرلہ کے فتوٰی سے اخذ کی ہے تیس برس ہُوئے فقیر کے پاس اس کا سوال آیا تھا کہ نوٹ پر بٹا لگانا مثلاً سَو روپے کا نوٹ ننانوے میں خرید لینا جائز ہے یا نہیں، فقیر نے نظر فقہی کا مقتضٰی جواز بتایا اور تنویر الابصار وعامہ کتب سے اس پر استدلال کیا، میرا یہ فتوٰی مولوی صاحب کے یہاں پہنچا جسے انھوں نے اپنے مجموعہ فتاوٰی میں درج کیا کہ اس کی جلد دوم میں فتوٰی حامیِ سنّت جناب مولٰنا مولوی محمد ارشاد حسین صاحب رامپوری رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ طبع ہُوا اور وہیں سے مجھے ملا کہ اُس وقت تک مجھے اپنے فتاوے رکھنے کا التزام نہ تھا اور اسی سے حضرت فاضل رامپوری کا فتوٰی معلوم ہوا جس پر مجموعہ فتاوٰی مولوی لکھنوی صاحب میں نمبر ۱۲۳ ہے اور میرا فتوٰی نمبر ۱۲۴ ہے دونوں میں حکم جواز ہے، پھر ایک چار سطری فتوٰی بعض علمائے مدراس کا نمبری ۱۲۵ ہے اس میں بھی جواز ہی کا حکم ہے اس کے متصل نمبر ۱۲۶ میں مولوی صاحب کا یہ فتوٰی ہے جس میں انھوں نے فتوٰی فقیر کے بعض کلمات سے تعرض کیا اور باقی کا کچھ جواب نہ دیا، میں نے اس بنا پر کہ نوٹ بہت جدید حادث ہے کتب فقہیہ میں اس کا ذکر مصرح نہیں مگر تمام کتب کا ضابطہ کلیہ حکم جواز بتا رہا ہے حکم لکھ کر اوہام کا جواب دے کر آخر میں ھذا ما ظھرلی واللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا، اور اللہ سبحانہ وتعالٰی بہتر جانتا ہے۔ت)" مولوی صاحب نے اس بنا پر کہ میرے کلام کا کوئی جواب کتاب سے نہ دے سکے اپنے مخیلات پر عامل ہوئے آخر میں ھذا ما سنح لی واللہ اعلم بالصواب[1] (یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہُوا اور اللہ سبحٰنہ وتعالٰی بہتر جانتا ہے۔ت) لکھا یہ دلیل کہ مولوی صاحب کی معتمد ہُوئی فقیر نے پہلے ہی اپنے فتوٰی میں بنام وہم لکھ کر رد کر دی تھی مولوی صاحب نے دلیل تو اٹھالی اور رد کے جواب سے عہدہ برآئی نہ کی میرے فتوٰی میں بعد بیان حکم وعبارت کتب تھا "مسئلہ کا جواب تو اسی قدر سے ہو گیا لیکن غیر فقیہ کو ایسی جگہ یہ وہم گزرتا ہے کہ ہرچند اصل حقیقت میں نوٹ صرف ایک چھپے ہُوئے کاغذ کا نام ہے مگر عرف واصطلاح میں گویا وہ بعینہٖ روپیہ ہے اس لئے ہر جگہ روپے کا کام دیتا ہے لین دین میں سَو روپے کا نوٹ دینے اور سَو روپے دینے میں ہرگز تفاوت نہیں سمجھا جاتا عموماً اس کے ساتھ معاملہ اثمان برتا جاتا ہے تو گویا وہ سَو روپے تھے کہ بعوض ننانوے کے خریدے گئے اور اس کی حرمت میں کچھ شبہہ نہیں تو صورت مستفسرہ میں حکم تحریم دینا چاہئے" دیکھئے اسی وہم کو مولوی صاحب نے اخذ کیا اور دلیل بنایا جس مضمون کو میں نے چار پانچ سطر میں ادا کیا تھا مولوی صاحب نے اُسی کو

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۳۹۸

صفحہ بھر میں پھیلایا مگر افسوس کہ پھر بھی ویسا ادا نہ ہوسکا،

اولاً مولوی صاحب نے ثمن خلقی سے عینیت لی جس کے تحت میں اجناس داخل، اور اس کے سبب جو اعتراضات ہوئے آپ نے سُنے، میں نے ابتداءً ہی روپے کی تخصیص کی کہ گویا وہ بعینہٖ روپیہ ہے۔

ثانیاً مولوی صاحب نے عینیت فی الواقع ثابت مان لی کہ بار بار فرمایا "عین ثمن سمجھا جاتا ہے"، فرمایا "عین ثمن خلقی ہے" اس پر جو اعتراضات قاہرہ وارد ہوئے ناظرین کے پیشِ نظر ہیں فقیر نے انھیں کے انسداد کو لفظ گویا زائد کردیا تھا کہ گویا بعینہٖ روپیہ ہے، گویا وہ سَو روپے تھے۔"

ثالثاً مولوی صاحب نے اہل عرف کے سر یہ تھوپا کہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا جس کا رد سُن چکے، میں نے اسے ان لفظوں میں ادا کیا تھا کہ "عموماً اس کے ساتھ معاملہ اثمان برتا جاتا ہے" جس سے وہ اعتراض کہ بربنائے لفظ احکام وارد ہے وارد نہ ہوا، ہاں میں نے غیر فقیہ کے لئے بھی یہ وہم پسند نہ کیا تھا کہ نوٹ بیچنے میں اس کی قیمت یعنی مقصود نہیں ہوتی بلکہ سَو روپے بیچنا اور روپوں کی قیمت لینا منظور ہوتا ہے یہ خاص مولوی صاحب کا حصہ ہے اس کے اعتبار سے ان کا ماسنح لی فرمانا بجا ہے لکل ساقطة لاقطة (ہر گری پڑی شئی کو کوئی اٹھانے والا ہوتا ہے۔ت)۔ اب جواب کی طرف چلئے، فقیر نے دفع دخل کے لئے وہ وہم ذکر کرکے لکھا "کہ جسے فن شریف فقہ میں کچھ بھی بصیرت حاصل ہے اس کے نزدیک اس وہم کا ازالہ نہایت آسان ہے" (پھر مال کی چاروں قسمیں جو رسالہ کے ص ۱۳۳ سے ۱۳۷ تک گزریں بیان کرکے لکھا) "نوٹ کے ساتھ اگر معاملہ اثمان برتا جاتا ہے تو غایت درجہ قسم رابع سے قرار پائے گا کہ اصل خلقت میں سلع ہے مگر بسبب تعارف ثمن ٹھہرا ہوا ہے اور ازانجا کہ اثمان اصلیہ سوا سیم وزر کے کچھ نہیں لہذا اہل عرف اگر غیر ثمن کو ثمن کرنا چاہیں تو ناچار اس کی تقدیر اثمان خلقیہ ہی سے کریں گے اس لئے پیسوں کی مالیت یُونہی بتائی جاتی ہے کہ روپے کے سولہ آنے پس نوٹ کو جب عرفاً ثمن کرنا چاہا اُس کے اندازہ میں بھی اصل ثمن کی جانب رجوع ضرور ہوئی اور یوں ٹھہرایا گیا کہ فلاں نوٹ سو روپے کا، فلاں دو سو کا، فلاں ہزار کا، مگر یہ صرف تقدیر ہی تقدیر ہے اس سے اتحاد جنس و قدر ہرگز لازم نہیں آتا جیسے اندازہ فلوس سے چونسٹھ پیسے کا عین نہ ہوگئے یونہی اس قرارداد سے وہ نوٹ حقیقۃً سو روپے یا چاندی نہ ہوجائے گا پس علتِ ربا کا تحقق ممکن نہیں، باقی رہا عرف و اصطلاح اس کا اتباع عاقدین پر بایں معنی ضرور نہیں کہ جو قیمت انھوں نے ٹھہرادی ہے یہ اس سے کم وبیش نہ کرسکیں، یہ دونوں اپنے معاملہ میں مختار ہیں چاہے سو روپے کی چیز ایک پیسے کو بیچ ڈالیں یا ہزار اشرفی کو خرید لیں صرف تراضی درکار ہے وبس۔ امام علامہ محقق علی الاطلاق فتح القدیر میں فرماتے ہیں،

لوباع کاغذۃ بالف یجوز ولایکرہ[1] الخ۔ اگرکسی نے ایک کاغذ ہزار کا بیچا تو بلاکراہت جائز ہے الخ(ت)

آخر نہ دیکھا ایک روپے کے پیسے بتعیین عرف ہمیشہ معین رہتے ہیں مگر علمائے ائمّہ نے سے زیادہ کے عوض میں آٹھ آنے بیچنا روا رکھا اور سب جانتے ہیں کہ ایک اشرفی کئی روپے کی ہوتی ہے لیکن فقہائے ایک روپے کے عوض ایک اشرفی خریدنا جائز ٹھہرایا تو وجہ کیا ہے وہی اختلاف جنس جس کے بعد تفاضل میں کچھ حرج نہیں رہتا، (پھر ان مسائل کے ثبوت میں درمختار کی عبارتیں لکھ کر کہا "جب یہاں تک شرعاً جائز رہا تو سَو روپے کا نوٹ ننانوے کے عوض خریدنے میں کیا حرج ہوسکتا ہے کہ یہاں نہ تو قدر متحد نہ جنس واحد الی آخرہ"۔ یہ ہے بحمداللہ تعالٰی وہ نفیس منیر تقریر کہ بنگاہِ اولیں قلب فقیر پر فیضِ قدیر سے فائز ہوئی تمام رسالہ گویا اسی کی شرح اسی کے اجمال کی تفصیل ہے والحمدللہ رب العالمین میرے بیان کا حاصل چند امر تھے:

(۱) نوٹ اور روپے ایک جنس نہیں۔

(۲) اُن میں قدر مشترک نہیں۔

(۳) نوٹ کے ساتھ اہل عرف کا معاملہ اثمان برتنا اُسے اصطلاحی کرے گا نہ کہ خلقی۔

(۴) روپیوں سے اندازہ قیمت نے اُسے روپے نہ کردیا ہر اصطلاحی کا اندازہ خلقی ہی سے ہوتا ہے جیسے پیسے۔

(۵) اصطلاح کی پیروی عاقدین پر نہیں وہ اپنی تراضی سے جو چاہیں کم وبیش کریں۔

(۶) علماء نے کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچنا جائز فرمایا۔

(۷) پیسوں میں اصطلاح عام کی مخالفت جائز فرمائی۔

(۸) خود ثمن خلقی روپے اشرفی میں مخالفت عرف عام کی اجازت دی کہ ایک روپیہ ایک اشرفی کو بیچیں۔

مولوی صاحب نے **اولاً** یکم کے جواب کو وہی وہم سیکھا جسے لفظ گویا اُڑا کر بالکل کھویا مگر دوم سے کچھ تعرض نہ کیا یا شاید اپنے زعم میں عینیت عرفیہ فی الاحکام کہتے کہتے عینیت حقیقیہ فی الاجسام سمجھ لئے ہوں یعنی ہم نے کاغذ کو پیٹ پاٹ کر چاندی سونا کردیا پھر اتحاد قدر کیوں نہ ہوگا کہ شے اپنے نفس سے مختلف نہیں ہوسکتی۔

ثانیاً ادعائے عینیت پر وہی وہم والی ایک دلیل لائے کہ نوٹ عرفاً جمیع احکام میں عین ثمن خلقی سمجھا گیا اور آخر فتوے میں اتنا اور بڑھائیں گے کہ اور تمام مقاصد ثمن خلقی کے اس کے ساتھ متعلق ہوئے

---

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

اسی کو میں نے ان صحیح ومختصر الفاظ سے تعبیر کیا تھا کہ عموماً اس کے ساتھ معاملہ اثمان برتا جاتا ہے میں نے امر سوم میں جو اس کا رَد کیا تھا کہ اس سے ثمن اصطلاحی ہوا نہ خلقی اس کا جواب غائب۔

ثالثاً اس پر دوسری دلیل بھی وہی وہم والی لائے جسے بنگیوں میں پھیلایا اور بات اُتنی ہی ہے جو میں نے لکھی کہ لین دین میں سَو کا نوٹ اور سو روپے میں تفاوت نہیں سمجھا جاتا اور میں نے امر چہارم میں جو اس کا رَد کیا کہ عرف نے اُسے ثمن بنایا اور اصطلاحی کا اندازہ خلقی ہی سے ہوگا لہذا اس نوٹ کا اندازہ سَو سے کیا اور سَو روپے کی جگہ کام آیا جیسے سولہ آنوں کا اندازہ روپے سے کیا اور روپے کی جگہ کام آئے نہ یہ کہ نوٹ یا پیسے روپے کا عین ہوگئے اس کا جواب غائب۔

رابعاً امر پنجم میں جو میں نے ایک عظیم قاہر رَد کی طرف اشارہ کیا تھا جو سب کچھ مسلّم ٹھہرا کر لگی نہ رکھی جس کا بیان ابھی صفحہ ۱۳۴ میں گزرا اور جس پر نصوص جلیلہ کتب مذہب اور خود قرآن عظیم واحادیث نبی کریم علیہ وعلٰی آلہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم شاہد اس کا جواب غائب۔

خامساً تین امر باقی کہ میں نے اسی امر پنجم کے نظائر رَد دکھائے تھے ان میں بھی امر پنجم یعنی رشپے اشرفی کی کری مثال کا جواب غائب، اور ہفتم کے جواب کی خدمت گزاری سُن چکے اور ششم کا جو مزہ دار جواب سب میں آخر میں دیا ہے اُس کا لطف اِن شاء اللہ تعالٰی عنقریب اٹھائیے گا، غرض آٹھ باتوں میں پانچ کا جواب کچھ نہ دیا اور تین کا جواب وہ دیا کہ نہ دینا اس سے ہزار جگہ بہتر تھا۔

الحمدللہ اہل انصاف ملاحظہ فرمائیں گستاخی معاف وہ اجلّہ اکابر فضلاء کہ ائمہ مجتہدین عظام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے اقوال کو پرکھنے کا ادعا رکھیں کہ قال ابو حنیفۃ کذا والحق کذا (ابو حنیفہ نے یوں کہا اور حق یوں ہے) استدلوا لابی حنیفۃ بوجوہ والکل باطل (ابو حنیفہ کے لئے متعدد دلائل بیان کئے گئے اور سب باطل ہیں) ھھنا وھم اٰخر لصاحب الکتاب (یہاں اس کتاب والے (یعنی سیدنا امام محمد رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ) کا ایک اور وہم ہے) ایسے گرانمایہ اجتہاد پایہ حضرات کسی مسئلہ میں ابوحنیفہ کے گدایانِ در کے غلامانِ غلام کی خاکِ پا کے زلہ رباؤں کے ادنٰی خوشہ چیں سے خلاف کریں تو اپنے لئے دلیل اسی سے سیکھ کر لکھیں اور وہ بھی جس روش پر اُس نے ادا کی ادا نہ کرسکیں پھر اس نے جو اُس کے جواب دیے اُن سے عہدہ برآ نہ ہوں، اُس کے کلام کے مقاصد وفوائد تک نہ پہنچیں اکثر سے سکوت کریں اور بعض کا جواب محض ناصواب دیں، طولانی تقریر فرمائیں جس کا فقرہ فقرہ جملہ جملہ والکل باطل (اور سب باطل ہے۔ت) کے گہرے رنگ میں رنگا ہوا ایک ایک لفظ ایک حرف پڑھنا وھم آخر (یہاں ایک اور وہم ہے۔ت) کا دیا پڑا ہو یہ امام الائمہ سراج الامہ کاشف الغمہ مالک الازمہ نائل العلم

من الثریا ابوحنیفہ اور ان کے چھوٹے بیٹے امام ربانی محرر المذہب محمد بن الحسن شیبانی رضی اللہ تعالٰی عنہما کی کرامت نہیں تو کیا ہے۔ حاشا میں اس سے مولوی صاحب کی کسرِ شان نہیں چاہتا، وہ ایک وسیع الباع طویل الذراع فاضل طباع ہیں اور فقیر حقیر ایک غریب طالب علم قاصر القدرۃ قلیل المقدار اپنے مولائے کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم کی بشارت عظیم فطوبٰی للغرباء (غریبوں کے لئے خوشخبری ہے۔ ت) کا بلا استحقاق محض اُن کے فضل سے امیدوار بلکہ مقصود اپنے ائمہ کرام کی کرامتِ عالیہ کا اظہار ہے وبس، الٰہی! تیری بے شمار رضائیں ابوحنیفہ پر اور اُن سب پر جو عقائد میں اُن کے موافق ہو کر اعمال میں اُن کے مقلد ہیں، یونہی بقیہ ائمہ مجتہدین کرام اور اُن کے ایسے ہی مقلدوں پر تا روزِ قیام وعلٰی حبیبنا وشفیعنا افضل الصلوٰۃ والسلام (ہمارے حبیب اور شفاعت فرمانے والے پر بہترین درود وسلام ہو۔ ت)۔

تنبیہ: اتنا ملحوظ رہے کہ میدان بحمد اللہ تعالٰی ہمارے ہاتھ ہے مقاصد بحث پر ہمارے سب اعتراض حق ولاجواب ہیں اور بعض کہ بیان مولوی صاحب پر ہیں اگر اہلِ تاویل تبدیل وتحویل کریں تو بعد ردِّ ردِّ اعتراض تسلیم اعتراض ہے کاش مولوی صاحب اس شبہہ کا بیان ہم سے کرا لیتے تو بہت بادی چھنٹ جاتی اور ہمارے قلم کو بھی آرام ملتا کہ رد میں ایک مختصر سا کلام ہوتا اور کوئی آپ کو یہ بھی نہ کہتا کہ کہا اور کہہ نہ جانا مگر مولوی صاحب کی عنایات نے وسعت دکھائی کہ یہاں تک نوبت آئی بہرحال ہمیں ہر طرح نفع ہے وللہ الحمد۔

تسجیل جلیل: چلتے وقت سب سے بھاری خود اپنی دھوم دھامی گواہی لیتے جائیے کہ نوٹ اور روپوں میں ربا ممکن ہی نہیں آپ کے فتاوٰی کی تیسری جلد جس کے سوالات خود آپ نے پیدا کرکے اُن کے جواب لکھے اور اُن میں دو جلدیں پیشین کے اغلاط کی جابجا اصلاح کی جیسا کہ ناظرین پر مخفی نہیں اسی کے باب الربا کا پہلا سوال وجواب دیکھئے جس میں آپ نے ربا کی تعریف لکھی ہے اور دل ہی دل میں انصاف کرلیجئے کہ یہ تعریف مسئلہ نوٹ میں کیونکر صادق آسکتی ہے، آپ فرماتے ہیں:

سوال: ربا چیست؟

جواب: فضل احد المتجانسین کیلاً یا وزناً بر دیگر در معاوضہ مالیہ بلا عوض، در بحرالرائق آورد ولیس المراد مطلق الفضل بالاجماع فان فتح الاسواق فی سائر بلاد المسلمین للاستفضال والاسترباح وانما المراد فضل مخصوص

سوال: سُود کیا ہے؟

جواب: مالی معاوضہ میں دو ہم جنس چیزوں سے ایک کی کیل یا وزن کے اعتبار سے دوسری پر بلا عوض زیادتی۔ بحرالرائق میں وارد ہے کہ مطلق زیادتی بالاجماع مراد نہیں کیونکہ تمام مسلم ممالک میں بازاروں اور منڈیوں کا کھلنا زیادتی اور نفع کے حصول کے لئے ہوتا ہے بلکہ بیشک مخصوص زیادتی

وھو فضل مال بلا عوض فی معاوضۃ مال بمال ای فضل احد المتجانسین علی الاٰخر بالمعیار الشرعی ای الکیل و الوزن[1]، انتہی۔

مراد ہے اور وُہ مال کے عوض مال میں بلا عوض مالی اضافہ اور زیادتی ہے یعنی دو ہم جنس چیزوں میں سے ایک کی دوسری پر زیادتی معیار شرعی یعنی کیل و وزن کے ساتھ، انتہی۔ (ت)

دیکھئے کیسی کھلی تصریح ہے کہ ہر زیادت سُود نہیں، بازار کُھلے ہی اس لئے ہیں کہ زیادت ملے نفع ہاتھ لگے بلکہ سود ہونے کو ضرور ہے کہ دو متحد الجنس چیزوں میں کہ دونوں وزنی یا دونوں کیلی ہوں کہ تول یا ناپ سے بِکتی ہوں ایک دوسری سے خاص اُسی ناپ یا وزن میں زائد ہو اس کے سوا کسی اور بات میں زیادتی کا یہاں لحاظ نہیں، بیشک ہمارے علماء کے اجماع سے ربا کی یہی تعریف ہے شکر ہے کہ اس کے آپ مقر ہوئے اور والکل باطل (اور سب باطل ہے۔ ت) نہ فرمادیا مگر اس اقرار نے اُس تقریر کو والکل باطل (اور سب باطل ہے۔ت) بنادیا، نوٹ اور روپے سرے سے ایک جنس ہی نہیں، بچّہ بھی جانے گا کہ چاندی اور کاغذ ایک جنس نہیں ہو سکتے، اور بفرضِ باطل مجانست سہی تو نوٹ تول کر نہیں بکتا، اور اگر تول بھی موجود ہو تو سَو کا نوٹ سو کو بیچنا بھی قطعی سُود ہو کہ سو روپے بلاشبہہ تول میں نوٹ سے کہیں زائد ہیں اور آپ اسی کو واجب کر رہے ہیں تو آپ نے سود نہ صرف حلال بلکہ واجب کردیا تو مفر وہی ہے کہ نوٹ اور روپیہ ایک جنس نہیں یا تول نہیں یا دونوں نہیں بہرحال آپ ہی کے اقرار سے کُھل گیا کہ چاہے دس کا نوٹ لاکھ روپے کو بیچئے یہاں ربا آ ہی نہیں سکتا کہ یہ اس کی تعریف ہی میں داخل نہیں، و ھو المقصود (اور وہی مقصود ہے۔ ت)۔

قولہ اور اگر اس میں ربا حقیقۃً نہ ہو تو شبہہ ربا سے تو مفر نہیں اور تمام کتب فقہ میں مرقوم ہے شبہہ ربا باعثِ حرمت ہے[2]۔

اقول اوّلاً یہ مولوی صاحب کا دوسرا پہلو ہے، خود بھی سمجھے کہ یہاں ربا کی گاڑی چلتی نظر نہیں آتی لہٰذا شبہہ کے ٹھیلے کی طرف جُھکے مگر کیوں مفر نہیں اس کا ثبوت فی البطن۔ مولوی صاحب کو اولاً منقح کرنا تھا کہ شبہہ ربا کا مناط یہ ہے جہاں یہ پایا جائے شبہہ متحقق ہوگا۔ ثانیاً اِدھر اُدھر خوب جھانک لینا تھا کہ تصریحاتِ ائمہ سے اس پر نقض تو نہیں پڑتا کہ تنقیح کا تنقیہ کردے۔ ظاہر ہے

---

[1] مجموعہ فتاوٰی باب الربٰو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۹۴ و ۹۵

[2] ″ کتاب البیوع ″ ″ ″ ۱/۳۹۴

کرنوٹ میں تحقق شبہہ منصوص نہیں کہ تقلیداً حکم مان لینا پڑے اگرچہ دلیل پر ہمارے فہم میں ہزار شبہے ہوں ہم حکم کے مقلد ہیں نہ کہ دلیل کے منتقد۔ بہت دلائل علمائے متاخرین شکر اللہ تعالٰی سعیہم نے اپنے فہم سے استنباط فرمائے ہیں اُن میں کسی دلیل کا تزلزل حکم کا بطلان نہیں، ممکن کہ مجتہد کے پاس اور دلیل ہو اور یہاں تو آپ کو خود اثبات حکم کرنا ہے تو جب تک مناط کامل طور پر مضبوط اور تمام نقوض و شبہات سے منزہ نہ کرلیجئے نِرا زبانی قیاس محض وسواس۔ ثالثاً اس سب کے بعد یہ ثبوت دینا تھا کہ وہ مناط نوٹ میں متحقق، اس وقت آپ کا فرمانا قابلِ سماعت ہوتا اور خالی دعوٰی تو پا در ہوا۔

ثانیاً اپنی جلد سوم باب الربا کا فتوٰی یاد کیجئے کہ چھٹانک بھر گیہوں سوا سیر گیہوں کے عوض بیچنا آپ نے جائز مانا یونہی ایک سیب دو سیب کو، یہاں تو جنس یقیناً متحد تھی اور زیادتی بداہۃً معلوم، یہاں شبہہ ربا کیوں نہ جانا، آپ کی عبارت یہ ہے:

سوال: بیع یک سیب عوض دو سیب یا بیع یک مشت گندم عوض دو مشت گندم جائز ست یا نہ؟

جواب: جائز ست چہ معیار شرعی نصف صاع ست نہ کم ازاں پس در کم از نصف صاع تفاضل درست ست، در عالمگیریہ می آرد یجوز بیع الحفنۃ بالحفنتین والتفاحۃ بالتفاحتین ومادون نصف الصاع فی حکم الحفنۃ انتہی۔[1]

سوال: ایک سیب کی بیع دو سیبوں کے بدلے میں یا ایک مٹھی گندم کی بیع دو مٹھی گندم کے بدلے میں جائز ہے یا نہیں؟

جواب: جائز ہے کیونکہ معیار شرعی نصف صاع ہے نہ کہ اس سے کم، لہذا نصف صاع سے کم میں زیادتی جائز ہے، عالمگیری میں آتا ہے کہ مٹھی بھر کی بیع دو مٹھی بھر سے اور ایک سیب کی بیع دو سیبوں سے جائز ہے اور نصف صاع سے کم ایک مٹھی کے حکم میں ہے۔ (ت)

ثالثاً رسالہ صفحہ ۱۶۹، ۱۷۰ پر بحر الرائق کا ارشاد دیکھئے کہ ایک پیسہ سو پیسے کو بیچنا جائز، یہاں بھی اتحاد جنس قطعی اور زیادت بدیہی، پھر شبہہ ربا کیوں نہ ہوا۔

رابعاً آپ کو اگر کاغذ اور چاندی کا دو جنس ہونا نہ معلوم ہو تو انھیں اہلِ عرف سے پوچھ دیکھئے جن پر آپ کے خیال کا سارا دارومدار ہے کہ وہ جس طرح یوں کہتے ہیں کہ یہ اشرفی پندرہ کی ہے یہ بیس کی یہ پیسے اٹھنی کے ہیں یہ چوانی کے، یہ نہیں کہتے کہ یہ اشرفی پندرہ روپے ہے یہ پیسے اٹھنی چوانی

---

[1] مجموعہ فتاوٰی باب الربٰو مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/ ۹۵

ہیں اسی طرح یوں کہتے ہیں کہ یہ نوٹ دس کا ہے یہ سو کا، یہ نہیں کہتے کہ یہ نوٹ دس روپے ہے، خود آپ نے فرمایا ہے کہ "نوٹ سو روپے کا کوئی ہلاک کردے"، اور فرمایا "سو روپے کا نوٹ جب بیچا جاتا ہے"، اور فرمایا "نوٹ سو روپے کا دیوے" اتحاد جنس کا نشہ اس سے اتار کر۔ وہ مسائل یاد کیجئے جو ائمہ کرام نے فرمائے کہ:

۱۔ ایک روپیہ ایک اشرفی بلکہ سوا اشرفیوں کو بیچنا جائز۔ ص ۱۶۳۔

۲۔ ایک پیسا ایک روپیہ بلکہ ہزار روپیوں کو بیچنا جائز۔ ص ۱۷۷، ۱۸۳، ۱۸۴۔

۳۔ ایک اشرفی ایک پیسہ کو خریدنے میں نہ ربا ہے نہ شبہہ ربا۔ ص ۱۸۳ و ۱۸۴۔

ان میں شبہہ ربا کیوں نہ ہوا۔

خامسًا بتصریح ائمہ یہاں شبہہ علت مثل علت اور حکم علت لازم علت، تو یہاں علت ہو یا شبہہ علت، بہر حال لزوم حکم علت اور حکم علت تحریم تفاضل فی القدر ہے تو سو کا نوٹ جو آپ سو کو بیچنا جائز کر رہے ہیں صراحۃً سود حلال کر رہے ہیں۔

قولہ علاوہ ازیں جو بیع وشرائے نوٹ میں تفاضل اختیار کرے گا مقصود اس کو بجز اس کے کہ بعوض کم روپے کے زیادہ روپے حاصل ہو جائیں اور کچھ نہ ہو گا مگر بطور حیلہ کے وہ نوٹ کا معاملہ کرے گا اور یہ ظاہر ہے کہ ایسے ارتکاب حیلہ سے حکم حلت کا نہیں ہوسکتا۔[1]

اقول اولاً قصور معاف ؎

مستی از بادۂ شبانہ ہنوز

(جوانی کی مستی ابھی موجود ہے۔ت)

بعوض کم روپیہ کے کہنا باطل ہے نوٹ والے کی طرف سے تو نوٹ ہے، روپیہ ایک بھی نہیں نہ کم نہ زائد۔ ہاں یوں کہئے کہ کم روپیوں کا مال دے کر زیادہ روپے حاصل کرنا۔ ہاں یہ بیشک مقصود ہے پھر اس میں کیا گناہ ہے دنیا بھر کی تجارتیں اسی لئے ہوتی ہیں آپ خود جلد ۳ میں بحر الرائق سے نقل کرچکے ہیں کہ مطلقًا زیادتی بالاجماع حرام نہیں، تمام جہان میں بازار اسی لئے کھولے گئے ہیں کہ زیادتی ملے نفع حاصل ہو۔

ثانیًا آپ کی "علاوہ ازیں" کہہ رہی ہے کہ اب ربا وشبہہ ربا دونوں سے قطع نظر فرما کر

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۹۸/۱ – ۹۷

یہ تیسرا پہلو لیا ہے کہ اگرچہ یہاں ربا سے کچھ علاقہ نہ ہو، ربا تو ربا اس کا شبہہ بھی نہ ہو، مگر اس نے زیادہ ملنے کا حیلہ کیا ہے اس لئے (زبردستی) حرام ہے، اب فرمائیے اگر زید عمرو سے سو روپے قرض مانگے عمرو کاغذ کا ایک سادہ پرچہ اس کے ہاتھ مثلاً سال بھر کے وعدہ پر یا نقد پچیس روپے کو بیچے وہ قبول کرلے پھر عمرو سو روپے زید کو قرض دے اور قرض کے بدلے سو ہی لے پچیس اپنے اس کاغذ کے جدا لازم کرے تو اس میں حرمت کدھر سے آئے گی آیا اس لئے کہ کاغذ کا سادہ پرچہ پچیس روپے کو بیچا تو آپ تو ابھی فرمانے والے ہیں کہ سادہ پرچہ ہزار روپیہ کو بیچنا جائز ہے پچیس کو کیوں حرام ہوا، یا اس لئے کہ اس نے اس فعل سے نفع حاصل کرنا چاہا تو وہ صورت بتائیے کہ کاغذ کا ٹکڑا ہزار روپے کو بیچے اور نفع لینا نہ ہو، یا اس لئے کہ قرض پر نفع لیتا ہے قرض میں تو وہ پورے سو کے سو لے رہا ہے اس پر نفع کہاں، یا اس لئے کہ یہ نفع بسبب قرض ہے تو قرض تو اس وقت تک دیا بھی نہیں سبب کہاں سے متحقق ہوا، یا اس لئے کہ ان کے دل میں تو آئندہ قرض لینے دینے کی نیت ہے تو اس کا ثبوت شرع سے دیجئے کہ آئندہ سال قرض کا لین دین ہونے والا ہو تو آج بیع پر نفع لینا حرام ہو جائے وہ بیع کہ بلا شبہہ حلال بھی حکم تحریم پائے، حالانکہ یہاں تو آئندہ لین دین ہونا بھی معلوم نہیں آئندہ غیب ہے اور غیب مجہول اور انسانی ارادہ ممکن التخلف نکاح میں کہے کہ میں نے تجھے مہینہ بھر یا دس برس بلکہ سو برس کے لئے اپنے نکاح میں لیا تو ناجائز وہ حرام، اور اگر نکاح کرے اور ارادہ صرف مہینہ بھر یا ایک ہی دن رکھنے کا ہو تو بیشک حلال۔

ثالثاً صفحہ ۱۹۴ پر وہ تصریحات ائمہ کرام مثل امام شمس الائمہ حلوانی و امام شمس الائمہ زرنجری و امام بکر خواہر زادہ و بحر الرائق و رد المحتار وغیرہا یاد کیجئے کہ پہلے بیع کرکے پھر قرض کا لین دین کریں تو ہمارے ائمہ مذہب امام اعظم، امام ابو یوسف اور امام محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہم سب کے نزدیک بالاتفاق بلا کراہت جائز و حلال ہے کہئے یہ کیوں حلال ہوا، ظاہر ہے کہ یہ معاملہ اس نے زیادہ لینے ہی کے لئے بطور حیلہ کیا۔

رابعاً اپنی یاد کیجئے جلد دوم فتویٰ نمبری ۴۴ میں حکم تھا کہ گیہوں قرضوں نرخ بازار سے کم کو بیچنا جائز ہے، اس پر سائل نے شبہہ کیا تھا کہ یہاں ربا نہیں تو شبہہ تو ہے اور شبہہ بھی مثل حقیقت حرام۔ اس کا آپ نے جواب فرمایا کہ "خدشہ ربا کا یوں مدفوع ہے کہ گندم وغیرہ اقسام غلہ بعوض دراہم و دنانیر کے فروخت کرنے میں ربا نہیں ہے اور نہ شبہہ ربا، اگر دو سیر گیہوں کہ بازار میں مثلاً دو آنے کو ملتا ہے کوئی شخص بعوض ایک روپیہ نقد بیچے تو بھی درست ہے ایسے ہی اگر فی سیر میں قیمت بڑھائے اور مشتری راضی ہو جائے تب بھی درست ہے"۔[1]

---

[1] مجموعہ فتاوی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۳۹۱

اقول یہ "اب بھی تب بھی" فقط اٹھ گنی قیمت تک حلال ہے یا بلا قید۔ بر تقدیر اول کیا دلیل شرعی ہے کہ ۲؍ کے گیہوں ایک روپے کو بیچنا حلال اور دو یا دس یا سو کو حرام۔ چو آب از سر گذشت چہ یک نیزہ چہ یک دست (جب پانی سر سے گزر گیا تو کیا ایک نیزہ اور کیا ایک ہاتھ، یعنی دونوں برابر ہیں۔ ت) بر تقدیر ثانی ہر عاقل جانتا ہے کہ کوئی ذی عقل دو آنے کے گیہوں سو روپے بلکہ انصافاً ایک روپے کو بھی ہرگز خرید نے نہ بیٹھے گا جب تک کوئی دباؤ نہ ہو اور بیچنے والا ۲؍ کا مال دے کر سو روپے لینے میں ضرور براہِ حیلہ زیادہ ستانی ہی چاہے گا، پھر ربا و شبہہ ربا نہ سہی جیسا کہ اب آپ کو اس تیسرے پہلو پر نوٹ میں بھی ملحوظ نہیں مگر معاملہ حیلہ کے سبب حکم حرمت آنا لازم تھا۔

خامسا (۸۰ تا ۸۵) وہ چھ حیلے یاد کیجئے جو ائمہ کرام نے ارشاد فرمائے اور رسالہ کے ص ۱۰۰ سے ۱۰۴ تک گزرے یہاں ارتکاب حیلہ سے حکم حلت کیسے ہو گیا۔

سادسا یہی چھ کیا ہزار ہا حیل ہیں جن کی تصریحات جلیلہ کلمات ائمہ میں مذکور اگر ان کو جمع کیجئے تو آپ کی اس جلد بھر سے زیادہ ہونگے سر دست عالمگیری کی کتاب الحیل ہی ملاحظہ ہو کہ ساری کتاب کی کتاب اسی میں ہے۔

سابعا آپ خود اپنی ہی نہ کہئے، سیدنا امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ نے مؤطا میں روایت فرمائی کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: "خرما خرما برابر کرکے بیچو" اس پر عرض کی گئی کہ یا رسول اللہ! خیبر پر حضور کے صوبہ دار تو دو صاع کو ایک صاع لیتے ہیں، ارشاد ہوا: انھیں بلاؤ۔ وہ حاضر ہوئے، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا: ایسا نہ کرو۔ عرض کی: یا رسول اللہ! وہ قسم جمع کی دو ہی صاع کو جنیب کی ایک صاع بیچتے ہیں یعنی برابر کو مل ہی نہیں سکتی، رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے فرمایا:

بع الجمع بالدراھم ثم ابتع بالدراھم جنیبا۔[1]

یہ قسم (جمع) روپوں سے بیچ کر وہ قسم (جنیب) روپوں سے خرید لے۔

اس پر آپ حاشیہ لکھتے ہیں:

علمه صورة لا تدخل فیه الربا مع حصول المقصود۔[2]

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ان کو وہ صورت سکھادی جس میں ربا نہ آنے پائے اور مطلب حاصل ہو جائے۔

---

[1] المؤطا للامام محمد باب الربوٰ فیما یکال ویوزن نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۲-۵۳

[2] التعلیق الممجد علی مؤطا محمد " " " " " " ص ۳۵۳

جنابِ من! اسی کا نام توحیلۂ شرعیہ ہے پھر اس سے حکمِ حلت نہ ہوسکنا کیا معنی، کیا رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم وہ بات بتارہے ہیں جس سے حلت نہ حاصل ہو حرام کا حرام رہے، والعیاذ باللہ تعالٰے۔

ثامنا اس کے متصل امام محمد رضی اللہ تعالٰے عنہ نے ابوسعید خدری و ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰے عنہما کی وُہ حدیث[1] روایت فرمائی جو رسالہ کے ص ۱۹۵ و ۱۹۶ پر گزری اُس میں بھی حضور اقدس صلی اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے یہی حیلہ تعلیم فرمایا ہے جس پر آپ نے خود حاشیہ لکھا کہ:

اشار الیہ بما یجتنب عن الربا مع حصول المقصود[2]۔

رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ایسی بات کا اشارہ فرمایا جس میں ربا سے بچ جائے اور مطلب ہاتھ آئے۔

سیدنا امام محمد نے یہ حدیثیں روایت کرکے فرمایا:

بھذا کلہ ناخذ وھو قول ابی حنیفۃ و العامۃ من فقھائنا[3]۔

یہ سب باتیں ہماری مختار ہیں اور یہی قول امامِ اعظم ابوحنیفہ اور ہمارے سب فقہائے کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کا ہے۔

رہا حاشیہ میں آپ کا فرمانا کہ حنفیہ وغیرہم نے اس سے جوازِ حیلہ پر استدلال کیا اور حق یہ کہ ایسی جگہ اعتبار نیت کا ہے[4]

اقول اولا یہاں کی کیا تخصیص ہے سبھی جگہ اعتبار نیت کا ہے بایں معنی کہ بدنیت فاسد ارادے سے جو کام کیا جائے گا ممنوع ہوگا حیلہ تو حیلہ اگر بدنیت سے نماز پڑھے تو وہ بھی حرام ہو

کلیدِ درِ دوزخ ست آں نماز ۔۔۔ کہ در چشم مردم گزاری دراز

(وہ نماز دوزخ کی چابی ہے جس کو تو لوگوں کے دکھلاوے کیلئے لمبا کرکے پڑھے)

ثانیا رسول اللہ صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم تعلیم فرمارہے ہیں جس کا خود آپ نے اقرار کیا، تمام

---

[1] الموطا للامام محمد باب الربٰو فیما یکال و یوزن نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۴
[2] التعلیق الممجد علی موطا محمد " " " " " " " " "
[3] الموطا للامام محمد " " " " " " " " "
[4] التعلیق الممجد علی موطا محمد " " " " " " " " "

ائمہ مذہب اس پر عمل فرمارہے ہیں جس کا امام محمد نے اظہار کیا، اب یہ آپ کی "والحق" اگر اس کے موافق ہے چشم ماروشن دلِ ماشاد (ہماری آنکھیں روشن اور ہمارا دل خوش ہے۔ت) اور اگر رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے ارشاد اور ائمہ مذہب کے اتفاق کے خلاف کچھ اپنی ڈیڑھ اینٹ کی الگ چُننی چاہتے ہیں جیسا کہ ظاہر عبارت سے ہے تو وُہ آپ ہی کو مبارک رہے اہلِ حق کے نزدیک "بجَوے نیرزد" (ایک جَو کے لائق بھی نہیں۔ت)

ثالثاً آپ نے کچھ کھولی نہیں کہ کیا نیت ہو تو حیلہ جائز اور کیا ہو تو ناجائز، اگر یہ مقصود کہ بیچ میں مبادلۂ دراہم صرف برائے نام ہو، نہ یہ قسم خرما دراہم سے بیچنی مقصود ہو نہ وہ قسم دراہم سے خریدنی بلکہ منظور انھیں دو قسم کا باہم مبادلہ ہو اور ذکر دراہم بیع تلجیہ کے طور پر محض اسم فرضی تو یہ ضرور صحیح ہے، مگر امام اعظم و امام محمد و جملہ ائمہ مذہب نے معاذ اللہ اسے کب جائز کیا تھا، حضرت وُہ تو حیلۂ شرعیہ کو جائز فرمارہے ہیں جس کی خود آپ کے اقرار سے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تعلیم دی یہ ناپاک حرکت "حیلۂ شرعیہ ہی کب ہوئی" بلکہ قصداً شرع کی مخالفت اور صورۃً عالم الغیب کو دھوکا دینا، پھر آپ نے جملہ ائمہ مذہب کے مقابل اپنی "والحق" کی الگ چنائی کا ہے پر چنی۔ اور اگر یہ مقصود کہ اگرچہ یہ قسم روپوں سے بیچ کر وہ قسم روپوں سے خریدنی مقصود ہو مگر اس فعل پر باعث وہی غرض ہو کہ یہ قسم ہماری ملک سے خارج ہو کر وہ قسم داخل ہوجائے اسے ناجائز کہتے ہو تو قصور معاف، یہ معاذ اللہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کو اصلاح دینی ہے ابوحنیفہ وغیرہ ائمہ تو درکنار رہے، ظاہر ہے کہ اسی غرض کی تحصیل کے لئے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے یہ طریقہ تعلیم فرمایا، خود حدیث صحیح مسلم و صحیح بخاری سے صفحہ ۱۹۵ و ۱۹۶ پر گزرا کہ جب تو مول لینا چاہے تو یوں کر۔ حدیث کی نہ سنئے اپنی ہی، دونوں جگہ لفظ دیکھئے کہ رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے وہ صورت سکھادی جس میں ربا سے بچ جائے اور مقصود حاصل ہوجائے، کہئے تو وہ کیا مقصود تھا جس کا حاصل کرنا رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے تعلیم فرمایا، اس کے بعد جو آپ نے امام اعظم و امام محمد و ائمہ مذہب کے رَد میں ابن قیم گمراہ کی ایک نقل اس کے استاذ ابن تیمیہ بدمذہب سے ذکر کی ہے اس کا ایک ایک حرف حرفِ ہذیان یا مجنون کی بڑ ہے، آپ خود اس کے بعد اتنا لکھ گئے کہ یہاں طویل بحثیں ہیں کہ مبسوط کتابوں میں ملیں گی جس سے آپ کو کہنے کی گنجائش رہی کہ میں نے اس نقل کو مقبول نہ رکھا لہذا ہم بھی اس کے رَد سے تطویل نہ کریں کہ یہاں تو غرض آپ سے مکالمہ ہے۔

ل التعلیق الممجد علٰی موطا امام محمد باب الربٰو فی بیکال و یوزن نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی ص ۳۵۴

تاسعا جانے دیجئے آپ گول ہی رہیں اور نیت کا پردہ نہ کھولیں اتنا تو آپ کے بیان سے بھی ثابت ہُوا کہ حیلہ نیک نیت سے حلال ہے، جنابِ من! پھر یہاں یہ مطلق تجرو تی حکم کیسا کہ ایسے ارتکاب حیلہ سے حکم حلت نہیں ہوسکتا۔[1]

قولہ تہذیب الایمان میں ہے۔[2]

اقول مولوی صاحب! عجب ہے کہ آپ جیسا محقق جو اتنے اعلٰی پائے پر ہو کہ ائمہ مجتہدین کی جانچ پڑتال کرے اُن کا حق و باطل نکالے وہ اور مسائل شرعیہ کے لئے سند لانے میں ایسا گرے کہ مجاہیل بے قدر و بے وقعت زید و عمرو سب سے استناد کرے کہیں آپ مجالس الابرار سے سند لاتے ہیں کہیں رسالہ اسلمی سے اور اُتر کر اربعین میاں اسحٰق دہلوی سے، کہیں اور گھٹ کر ان کے کسی شاگرد کی عمدۃ التحریر سے، کہیں سب سے بدتر صراط مستقیم اسمٰعیل دہلوی سے، انھیں مجاہیل میں یہ آپ کی تہذیب الایمان ہوگی جس پر بعض اصحاب نے کہا کہ آج تک تہذیب المنطق، تہذیب الکلام، تہذیب الاخلاق، تہذیب الآثار، تہذیب النحو سُنی تھی، معلوم نہیں ان بزرگ کو ایمان میں کیا بے تہذیبی سُوجھی کہ اس کی تہذیب لکھی آپ استناد کرتے وقت جب الیسوں کی تقلید تک اُتر آتے ہیں تو مسئلہ نوٹ میں حضرت مولٰنا مولوی محمد ارشاد حسین صاحب رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا فتوٰی آپ کے سامنے تھا اور وہ آپ کے ان اکثر مستندین سے ہر طرح اعلٰی و اعلم و افضل و اکمل تھے کاش اس میں ان کی تقلید فرمالیتے تو جھگڑا چکتا۔

قولہ انما المحرم ان یقصد بالعقود الشرعیۃ غیر ما شرعھا اللہ لہ فیصیر مخادعا للدینہ، کائد الشرعہ۔[3]

قولہ بے شک حرام یہ ہے کہ عقود شرعیہ سے اس شے کا غیر مقصود ہونا جس کے لئے اللہ تعالٰی نے ان عقود کو مشروع فرمایا کیونکہ ایسا کرنیوالا اسکے دین سے دھوکا اور اسکی شرع سے مکر کرنیوالا ہوگا۔ (ت)

اقول یہ بالکل ہمارے موافق ہے وہ حصر کرتا ہے کہ حیلہ وہی حرام ہے جس میں عقد شرعی سے اُس کا مقصود شرعی مراد نہ ہو، یہ وہی صورت ہُوئی کہ بیچ میں بیع دراہم کا نام بلا قصد مبادلہ محض بطور اسم فرضی لے اس کی حرمت میں کیا کلام ہے اور جب بیع سے حقیقۃً مبادلہ ملک کا قصد کیا تو یہی وہ مقصود شرعی ہے جس کے لئے شرع نے اُسے مشروع فرمایا تو جب آپ کی اسی سند کی رُو سے اس کی حرمت نا ممکن۔ پھر نوٹ میں تو اُس کو کچھ دخل ہی نہیں، نوٹ بیچنے خریدنے والے یقیناً یہی چاہتے ہیں کہ بائع کی ملک سے

---

[1] و [2] و [3] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳۹۸/۱

نوٹ خارج ہو کر مشتری کی ملک میں آئے اور مشتری کی ملک سے روپے خارج ہو کر بائع کی ملک میں آئیں شرع نے بیع اسی لئے مشروع کی ہے تو اسی عبارت کے حکم سے اُس کی حلت واجب۔ اگر کہئے مراد یہ ہے کہ اُس نے تھوڑے روپوں کے بدلے زیادہ لینے چاہے مگر روپے دے کر زیادہ روپے لیتا تو سود ہوتا اسی لئے نوٹ بیچ کر روپے لئے کہ جنس بدل جانے سے ربا جاتا رہے۔

اقول تو کیا گناہ کیا، اُس نے گناہ سے بچنا ہی تو چاہا، گناہ سے بچنے کی تدبیر بھی گناہ ہو تو مفر کدھر، شرع نے بیع اسی لئے مشروع فرمائی ہے کہ منہیاتِ شرعیہ سے بچ کر اپنا مطلب جائز طریقہ سے حاصل کرلو، وہی اس نے چاہا تو مقصدِ شرعی کی نہ کہ مخالفت، پھر حُرمت کدھر سے آئی۔

قولہ فان مقصودہ حصول الذی حرم اللہ بتلک الحیلۃ او اسقاط ما اوجبہ[۱] انتھی۔

قولہ کیونکہ اس حیلہ سے اس کا مقصد اس چیز کو حاصل کرنا ہے جس کو اللہ تعالٰی نے حرام کیا یا اس چیز کو ساقط کرنا ہے جس کو اللہ تعالٰی نے واجب کیا، انتہی۔ (ت)

اقول اولاً حرام سے مراد لازم الحرمۃ ہے جس سے حرمت کبھی جُدا نہ ہو یا وہ جسے حرمت عارض منفک ہے، برتقدیر اول اُسی لازم الحرمۃ کو اختیار کرے گا یا اس سے کسی امر جائز کی طرف عدول وفرار، پہلی صورت پر حیلہ ہی کب ہوا، صراحۃً حرام میں پڑنا ہوا، پھر اس سے تحریم حیلہ کیوں لازم آئی، اور دوسری صورت میں شاید حرمت اس وجہ سے ہوگی کہ حرام سے کیوں بچا جائز کی طرف کیوں عدول کیا۔ برتقدیر ثانی شکل وہ اختیار کرتا ہے جس میں وہ عارض منفک منفک ہو جائے اور شے حلال محض رہ جائے یا وہ کہ عارض حرمت باقی رہے، صورت ثانیہ پھر حیلہ نہیں اور اولٰی پر حرمت کی کوئی وجہ نہیں۔

ثانیاً دُور کیوں جائیے خود اپنی سُنئے، شراب حرام قطعی اور پیشاب کی طرح نجس بہ نجاست غلیظہ ہے مسلمان کو اس کا بیچنا حرام، چھُونا حرام، اس سے کسی طرح کا نفع لینا حرام۔ اب فرض کیجئے کہ ایک مسلمان کی ملک میں ہزار مٹکے شراب آئی مثلاً یُوں کہ اول نصرانی تھا اب مسلمان ہوگیا وہ نہیں چاہتا کہ اتنا مال کثیر ضائع ہو جائے، اس نے نمک ڈال کر سب کو سرکہ کر لیا، آپ خود فرماتے ہیں کہ جائز و روا ہے اپنے رسالہ نفع المفتی میں دیکھئے:

الانتفاع بالمحرم لا یجوز کذا قال البرجندی[۲]

حرام سے نفع حاصل کرنا جائز نہیں، یونہی برجندی

---

[۱] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۳۹۸/۱

فان قلت یشکل ھذا بالسرقین فانہ ینتفع بھا عہ فی الایقاد قلت الانتفاع بالنجس بالاستھلاك جائز کاراقۃ الخمر وتخلیل الخمر وھذا کذلك فیجوز[1] اھ باختصار۔

میں کہا ہے اگر تُو کہے اس پر گوبر کے سبب سے اشکال وارد ہوتا ہے کیونکہ اس سے جلانے میں نفع حاصل کیا جاتا ہے تو میں کہوں گا کہ نجس سے نفع حاصل کرنا نجس کو ہلاک کرکے جائز ہے جیسے شراب کو بہادینا اور شراب کو سرکہ بنانا اور یہ انھیں صورتوں جیسی ہے لہذا یہ جائز ہے اھ اختصار۔ (ت)

دیکھئے اس نے یہاں حرام خدا کو کام ہی میں لانا چاہا مگر یُوں کہ حرام نہ رہا پھر اس میں کیا حرج ہوا۔

قولہ پس اگر نوٹ میں تفاضل قضاءً جائز بھی ہو لیکن دیانۃً فیما بینہ وبین اللہ کسی طرح سے درست نہ ہوگا[2]۔

اقول عجب کہ جو کاغذ کو کاغذ ہی جانے اور بوجہ عرف ثمن اصطلاحی مانے اور شرع مطہر سے یقیناً معلوم ہُوا کہ اصطلاح عامہ کی پابندی اس پر لازم نہیں وُہ سو کے نوٹ کو روپوں سے کم و بیش پر بیچے تو عنداللہ کسی طرح درست نہ ہو، اور جو اپنے زعم میں کاغذ کو ثمن خلقی کا عین مانے اور اُسے بعینہ چاندی سمجھے وہ یہ ماشہ دو ماشہ بھر چاندی سیر بھر چاندی کو بیچے اور سُود نرِ حلال طیب رہے، اس زبردستی کی کوئی حد ہے خیر یہ تو پہلے معروض ہوچکا مگر یہاں یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ اب مولوی صاحب ربا و شبہہ ربا سے قطعی گزر گئے۔ "علاوہ ازیں" کہہ کر تو اُن کے لحاظ ہی سے گزرے تھے اب یہ صورت لیتے ہیں کہ کوئی ایسا وصف ہے ہی نہیں جس میں ربا یا شبہہ ربا ہو ورنہ قضاءً جائز ہونا محال تھا اور اس سے ظاہر کہ حکمِ عینیت کا تسمہ لگا نہ رکھا ورنہ ربا یا شبہہ ربا ہو کر دیانۃً، قضاءً ہر طرح حرام ہونا لازم تھا تو عینیت عرفیہ کا اگر نام لیا بھی جائے محض اسم بے مسمّی و لفظ بے معنی ہوگا کہ اس کا حکم داثر شرعی منتفی ہے اور جب ایسا ہے تو حقیقۃً و شرعاً غیریت محضہ رہی اب خود ہی حاصل اُسی قدر ٹھہرا دیا کہ کم روپیوں کا مال برضائے خریدار زیادہ کو بیچ لیا، کہئے اس میں کون سا خلافِ دیانت ہے۔

قولہ اسی وجہ سے کتبِ فقہ میں بیع عینہ اور شراء باقل مما باع وغیر ذلك (کسی چیز

عہ الاصوب بہ ۱۲

---

[1] نفع المفتی والسائل ما یتعلق بالانتفاع بالاشیاء النجسۃ الخ مطبع مجتبائی دہلی ص ۱۳۶

[2] مجموعہ فتاوی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۸

کو اس سے کم پر خریدنا جتنے پر بیچا ہے وغیر ذلک۔ ت) کی ممانعت مذکور ہے۔[1]

اقول اولاً الحمدللہ اب تو آپ کنارے پر آیا چاہتے ہیں، جی ہاں یہ بیع عینہ کے مثل ہے پھر بیع عینہ کو ہمارے ائمہ کرام نے کیا ٹھہرایا ہے، کیا ممنوع، ناجائز، حرام، مکروہ تحریمی۔ حاشا ہرگز نہیں، یہ محض غلط و باطل ہے بلکہ جائز، حلال، روا، درست۔ غایت درجہ اس میں اختلاف ہوا کہ خلافِ اولٰی بھی ہے یا نہیں، ہمارے امامِ اعظم بلا کراہت مانتے ہیں، امام ابویوسف خود ثواب و مستحب جانتے ہیں، امام محمد احتیاط کیلئے صرف خلافِ اولٰی ٹھہراتے، یہ تمام مباحث رسالہ میں صفحہ ۱۶۹، ۱۷۰ و ۱۷۱ و ۱۷۳ تا ۱۷۶ و ۱۷۸ و ۱۷۹، ۱۸۰ بلکہ ۱۶۴ تا ۱۶۶ میں گزرے، اب تو اپنے ہی اقرار پر قائم رہ کر بول اُٹھئے کہ سو کا نوٹ دو سو کو بیچنا امامِ اعظم کے نزدیک جائز و مباح، امام ابویوسف کے نزدیک اجر و ثواب، امام محمد کے نزدیک صرف خلافِ اولٰی۔

ثانیاً وہ خلافِ اولٰی بھی اس لئے تھا کہ اس وقت تک مسلمان سود کو سُوَر سمجھتے تھے اس کے سایہ سے بھاگتے تھے تو اس امر کی جائز عادت ڈالنے سے اندیشہ تھا کہ مبادا آگے بڑھ جائیں جیسا کہ اس کا بیان صفحہ ۱۶۹ و ۱۷۰، ۱۷۱ وغیرہا پر گزرا، اب کہ علانیہ سود مسلمانوں میں رائج ہوگیا جیتا نگلتے ہیں اور شرمانا درکنار آنکھ تک نہیں جھپکاتے، تو انھیں ایک جائز بات بتانا جس سے ان کا مقصود حاصل ہو اور اللہ واحد قہار کے عذاب سے بچیں عین خیرخواہی مسلمین ہے اور اس میں ناحق کے شاخسانے نکالنا مسلمانوں کی صریح بدخواہی، ذرا انصاف درکار ہے کہ خود آپ کے اقرار سے صبح آشکار ہے والحمدللہ رب العالمین۔

ثالثاً شراء ما باع باقل مما باع عند التحقیق ربح مالم یضمن (کسی چیز کو اس سے کم پر خریدنا جتنے پر بیچا ہے تحقیق کی رُو سے اس لئے حرام ہے کہ اس میں اس چیز پر نفع لینا ہے جس کا ضامن نہیں بنا۔ ت) کے سبب حرام ہے یعنی جو چیز اپنی ضمان میں نہ آئی اس پر نفع لینا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا، ظاہر ہے کہ قیمت جب تک ادا نہ ہوئی خود بائع کی ضمان پر باقی ہے ہلاک ہوجائے تو اس کی جائے مشتری پر اُس کا اثر نہ ہو، ولہذا یہاں درہم و دینار ایک جنس ہیں کما فی الدر وغیرہ (جیسا کہ در وغیرہ میں ہے۔ ت) حالانکہ باب ربا میں دو جنس ہیں کما فی جمیع الکتب (جیسا کہ تمام کتابوں میں ہے۔ ت) ہاں ثمن اول و ثانی ایک ہی جنس ہو تو شبہہ ربا بھی ہے

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۳۹۸

بعض نے اسی سے مسئلہ کی تعلیل کی یوں کہ اس نے ہزار کو بیچی اور ابھی قیمت وصول نہ ہوئی ممکن تھا کہ عیب کے سبب واپس ہو کر ثمن نہ ملے اب کہ خود اس نے پانچ سو کو خریدلی، احتمالِ سقوط ساقط ہوگیا تو اس نے پانچ سو دے کر اپنے وہ ہزار پکے کرلئے یوں شبہہ ربا آیا بہرحال ان وجوہ کو یہاں سے کیا علاقہ آپ خواہی نخواہی اسی وجہ سے کہہ رہے ہیں، ہدایہ میں ہے:

من اشتری جاریۃ بالف درھم حالۃ او نسیئۃ فقبضھا ثم باعھا من البائع بخمسمائۃ قبل ان ینقد الثمن الاول لایجوز البیع الثانی لان الثمن لم یدخل فی ضمانہ فاذا وصل الیہ المبیع ووقعت المقاصۃ بقی لہ فضل خمس مائۃ وذٰلک بلاعوض[1]

جس شخص نے ہزار درہم نقد یا ادھار کے بدلے لونڈی خریدی اور اس پر قبضہ کرلیا پھر پہلے ثمن کی ادائیگی سے قبل وہی لونڈی پانچ سو درہم کے بدلے بائع کے ہاتھ فروخت کردی تو دوسری بیع جائز نہ ہوگی کیونکہ ثمن ابھی تک بائع کی ضمان میں داخل نہیں ہوئے تو جب مبیع دوبارہ اس کے پاس پہنچ گیا اور پانچ سو درہم اس کے بدلے میں ہوگئے تو باقی پانچ سو درہم اس کے زائد بچ گئے اور وہ بلاعوض ہیں۔ (ت)

فتح القدیر میں ہے:

الذی عقل من معنی النھی انہ استربح مالیس فی ضمانہ ونھی رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم عن ربح مالم یضمن وھذا لان الثمن لایدخل فی ضمانہ قبل القبض[2]

وہ جو نہی کے معنی سے سمجھا گیا یہ ہے کہ اس نے اس چیز پر نفع لیا جو اس کی ضمان میں نہیں اور نبی کریم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے اس چیز پر نفع سے منع فرمایا جو اس کے ضمان میں نہ ہو اور یہ اس لئے ہے کہ قبضہ سے پہلے ثمن بائع کی ضمان میں داخل نہیں ہوتا۔ (ت)

اسی میں ہے:

وھذا احسن من تقریر قاضی خان اعتبار الشبھۃ بان الالف

یہ قاضی خان کی اس تقریر سے بہتر ہے جو شبہہ ربا کا اعتبار کرتے ہوئے انھوں نے کی بایں طور

---

[1] الہدایۃ کتاب البیوع باب البیع الفاسد مطبع یوسفی لکھنؤ ۳/۶۰
[2] فتح القدیر " " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/۷۱

وھو الثمن الاول علی شرف السقوط لاحتمال ان یجد المشتری بہا عیبا فیردہ فیسقط الثمن عن المشتری و بالبیع الثانی یقع الامن عنہ فیکون البائع بالعقد الثانی مشتریا الفا بخمسمائۃ[1] انتہی۔

کہ ہزار درہم جو کہ ثمن اول تھا وہ ساقط ہوسکتا تھا اس احتمال کی بنا پر مشتری اس لونڈی میں کوئی عیب پاکر واپس کردیتا تو اس طرح مشتری سے ثمن ساقط ہوجاتا اور بیع ثانی کی وجہ سے سقوط کا خوف جاتا رہا تو اس طرح بائع عقد ثانی کے ساتھ پانچ سو درہم کے عوض ہزار کو خریدنے والا ہوا۔ انتہی (ت)

رابعا وجہ محقق سے گزر کر دوسری ہی وجہ لیجئے اور یہاں اُس کے عدم جریان سے بھی قطع نظر کیجئے جب بھی آپ کو مفید نہیں کہ اس وجہ پر علت حرمت شبہہ ربا ہے آپ ربا و شبہہ ربا سے اتر کر تیسری وجہ سے تحریم لے رہے ہیں تو جہاں شبہہ ربا ہے اُس سے اس پر استناد کیونکر کرسکتے ہیں۔

خامسا آپ "اسی وجہ سے" کہہ کر دونوں مسئلوں میں علت حکم ایک بتارہے ہیں تو واجب تھا کہ حکم بھی ایک ہوتا، کیا شراء ما باع باقل مما باع (کسی چیز کو اس سے کم پر خریدنا جتنے پر بیچا ہے۔ ت) بھی صرف دیانۃً حرام ہے قضاءً جائز، فافہم۔

سادسا آپ نے سنا ہو کہ یہ شراء باقل قیمت ادا ہونے کے بعد بلاشبہہ جائز ہے مثلاً ایک چیز زید نے عمرو کے ہاتھ ہزار روپے کو بیچی عمرو نے روپے ادا کردیئے پھر زید نے وہی چیز عمرو سے پانچسو کو خرید لی کہ چیز کی چیز واپس آگئی اور پانچ سو مفت بچ رہے، یہ جائز و حلال ہے۔ درمختار میں ہے:

فسد شراء ما باع بالاقل قبل نقد الثمن وجاز بعد النقد[2] اھ ملتقطا۔

اپنی ہی فروخت کی ہوئی چیز پہلے ثمن سے کم کے بدلے خریدنا ادائیگی ثمن سے پہلے ہو تو جائز نہیں اور اگر ادائیگی کے بعد ہو تو جائز ہے اھ ملتقطا (ت)

آپ کی وجہ پر قیمت ادا ہونے نہ ہونے سے کیا فرق ہوگیا، کم روپے دے کر زیادہ حاصل کرنے کا مقصود بہرحال موجود، مولوی صاحب! مشکل یہ ہے کہ آپ اپنی تحقیق کے زور میں فقہ حنفی سے بےخبر ہیں ورنہ آپ جیسے محقق پر ایسی باتیں مخفی نہ رہتیں۔

---

[1] فتح القدیر کتاب البیوع باب البیع الفاسد مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۷۳

[2] درمختار " " مطبع مجتبائی دہلی ۲/ ۲۶

قولہ اور احادیث اس باب میں بکثرت وارد ہیں جن سے حرمت ایسے حیل کی ثابت ہوتی ہے۔

اقول اولاً احادیث اس باب میں بکثرت وارد ہیں جن سے حلت ایسے حیل کی ثابت ہوتی ہے دو بلکہ تین حدیثیں رسالہ کے صفحہ ۱۹۵، ۱۹۶ میں گزریں اور ایک حدیث مؤطا یہاں مذکور ہوئی۔

ثانیاً خود آیۂ کریمہ جواز پر شاہد ہے کہ صفحہ ۱۸۹، ۱۹۰ پر تلاوت ہوئی، فتاوٰی ذخیرہ و فتاوٰی ہندیہ میں ہے:

الاصل فی جواز هذا النوع من الحیل قول الله تعالٰی وخذ بیدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث وهذا تعلیم المخرج لایوب النبی علیه وعلٰی نبینا الصلٰوة و السلام عن یمینه التی حلف لیضربن امرأته مائة عود وعامة المشایخ علی ان حکمها لیس بمنسوخ وهو الصحیح من المذهب۔[2]

اس طرح کے حیلے جائز ہونے کی اصل اللہ عزوجل کا یہ ارشاد ہے کہ اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے کر مار دو اور قسم نہ توڑو۔ حضرت ایوب نبی اللہ علٰی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو اپنی زوجہ مقدسہ کی نسبت قسم کھائی تھی کہ سو لکڑیاں ماریں گے یہ اللہ عزوجل نے اس قسم سے عہدہ برآئی کا طریقہ تعلیم فرمادیا (کہ قسم بھی پوری ہوجائے اور ایذا بھی نہ پہنچے) اور مشایخ کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت کا حکم منسوخ نہیں اور یہی صحیح مذہب حنفی ہے۔

قولہ اگر یہ شبہہ ہو کہ نوٹ ہرگاہ ثمن خلقی نہیں ہے پس حکم اس کا بعینہٖ کیونکر ہوسکتا ہے تو جواب اس کا یہ ہے کہ چونکہ عرفاً وہ عین ثمن خلقی سمجھا گیا اور تمام مقاصد ثمن خلقی کے اس کے ساتھ متعلق ہوئے لاجرم باب تفاضل میں اُسی کا اعتبار ہوگا لاسیما دیانۃ فانها متعلقة بالمقاصد وان کانت خفیة[3] (خصوصاً دیانت کے اعتبار سے کیونکہ یہ مقاصد سے تعلق رکھتی ہے اگرچہ وہ (مقاصد) پوشیدہ ہوں۔ ت)

اقول اولاً یہ ہرگاہ اور چونکہ سرگاہ میں گزر چکیں اگر پہلا بیان صحیح تھا تو یہ شبہہ وہیں دفع

---

[1] مجموعہ فتاوٰی — کتاب البیوع — مطبع یوسفی لکھنؤ — ۱/۳۹۸
[2] فتاوٰی ہندیہ — کتاب الحیل الفصل الاول — نورانی کتب خانہ پشاور — ۶/۳۹۰
[3] مجموعہ فتاوٰی — کتاب البیوع — مطبع یوسفی لکھنؤ — ۱/۳۹۸

ہوچکا، پھر "اگر یہ شبہہ ہو" کا محل گیا اور غلط تھا تو اب تو وہی جواب دیا ہے اب کیوں صحیح ہوگیا بات وہی ہے کرلے دے کر ایک یہی شبہہ آپ کے ہاتھ میں ہے بار بار بتکرار اُس کا اعادہ فرماتے ہیں کہ معنی نہ سہی عبارت تو وزنی ہوجائے، ہاں یہاں تمام مقاصد کا لفظ زائد فرمایا ہے جس کا صاف ابطال اوپر گزرا اور کشف شبہہ بھی بروجہ اتم کردیا گیا اور یہ بھی سمجھا دیا گیا کہ بہت اچھا اب تفاضل میں اسی کا اعتبار کیجئے تو تفاضل فی القدر حرام مانئے اور خود اپنی ذات گرامی کو سُود حلال کرنے والی جانئے مگر جناب تو اپنی ایک دھن میں کسی کی سُنتے ہی نہیں۔

ثانیاً ہاں ایک لاسیما یہاں اور بڑھائی ہے یعنی جب نوٹ سے تمام مقاصد ثمن متعلق ہیں اور دیانت میں نظر مقاصد ہی پر ہے اگرچہ خفی ہوں نہ صورت پر تو کاغذ اور چاندی کا فرق صورت نہ دیکھا جائیگا مقاصد میں دونوں ثمن خلقی ہیں اس پر نظر ہوگی اور حرمت لازم۔

اقول بجا ہے پھر ایک اشرفی کو ایک روپیہ کیسے حلال ہوگیا وہ تو نہ صرف مقاصد بلکہ اصل حقیقت میں ثمن خلقی ہیں اور مقاصد میں بھی پندرہ روپے اور ایک پونڈ میں کچھ فرق نہیں سمجھا جاتا۔

ثالثاً حل کروں آپ مقاصد شرعیہ و اغراض انسانیہ میں فرق نہ سمجھے، مقاصد شرع وہ ہیں جن پر صحت و فساد و حلت و حرمت کا مدار ہے اور اغراض انسانیہ وہ نتائج کہ اُن کے نزدیک انھیں حاصل ہوں مقاصد باختلاف عقود مختلف ہوجاتے ہیں اور نتائج بارہا عقود متباینہ میں متحد رہتے ہیں مثلاً زید اپنا نصف مکان قابل قسمت بلاتقسیم اپنے شریک مساوی کو ہبہ کرکے اپنا قبضہ اٹھائے کہ سارا مکان قبض و تصرف شریک میں رہے یا اس کے ہاتھ بیع کرکے ثمن اس کو معاف کردے، دونوں صورتوں میں نتیجہ واحد ہے انسانی غرض اُن میں فرق نہیں کرتی مگر مقصد شرعی کا اختلاف شدید ہے کہ پہلی صورت فاسد و حرام اور دُوسری صحیح و حلال، یونہی اگر کوئی شخص دس کے پندرہ لینا چاہے اب دس روپوں کو خواہ پندرہ روپیوں کے عوض بیچے خواہ ایک ساورن کے بدلے، اس کی غرض دونوں طرح بلاتفاوت حاصل ہے مگر مقاصد شرعیہ اتنے مختلف ہیں کہ صورت اولیٰ سود، ربا، گناہ کبیرہ، حرام قطعی، موجب دخول نار۔ اور دوسری شکل درست، صحیح، حلال، روا، بے اعتراض، بلاانکار۔ نوٹ سے اگر اغراض انسانیہ ثمن خلقی کی طرح بلاتفاوت متعلق ہوں تو اس سے احکام و مقاصد شرعیہ میں اتحاد سمجھ لینا کیسی سخت نادانی ہے، احسان تو نہ مانئے گا کہ کیسے کیسے جواہر زواہر میرا قلم جناب کے قلب پر القا کرتا ہے، انصاف کیجئے تو ایک یہی نکتہ آپ کی ساری عرق ریزی کا علاج کافی و وافی ہے وللہ الحمد۔

رابعًا ایک ذرا اور بھی انصاف کی سہی آپ تو کمال مقاصد شناس دیانت پرور ہیں، اسی جلد دوم کے فتوی نمبری ۹۰ میں جو بایں خلاصہ تحریر ہے "خریدکرنا مال کفار سے بایں طورکہ نقد روپیہ ادا کرے تو پوری قیمت معینہ دے اور بعد ایک یا دو یا تین مہینے کے ادا کرے تو فی سیکڑا تین روپے فی ماہ زیادہ اُس قیمتِ معینہ سے دینا ہوگا۔ یہ فی الحقیقت بیان ہے نرخ مال کا یعنی نقد خریدے تو مثلاً سو روپے قیمت دے اور بعد ایک یا دو ماہ یا سہ ماہ کے ادا کرے تو قیمت ایک سو تین یا چھ سو نو دے پس یہ عقد حق خریدار میں جائز ہے اور زیادت ثمن کی فی سیکڑا تین روپے ہر ماہ میں اس میں بھی خریدار کو شرعاً کوئی قباحت نہیں اور درمیان میعاد مذکورہ کے قیمت ادا کرے تو بائع کو اختیار ہے چاہے لے چاہے علی المیعاد لے اس واسطے کہ رجوع اس کا جانب بائع سے طرف حط بعض قیمت کے اور جانب خریدار سے طرف حط اجل کے ہوگا اور ان دونوں میں شرعاً کوئی قباحت نہیں، صح الجواب واللہ اعلم، حررہ محمد عبدالحی عفی عنہ[۱]" ذرا فرمائیے تو تین روپے سیکڑا ہر مہینے پیچھے بڑھانے کا مقصد سوا سود کے کیا ہے خصوصًا وہ بھی کفار کی طرف سے جو بغیر سود کبھی ٹکڑا نہیں توڑتے اور سُود کا لینا دینا دونوں قطعی حرام ہیں دونوں پر رسول اللہ صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے لعنت فرمائی ہے اور فرمایا وہ سب برابر ہیں اسے آپ نے کیا سمجھ کر حلال کردیا اور بلا دغدغہ صح الجواب جڑ دیا، پھر ائمہ کرام کی صاف تصریح ہے کہ اگرچہ قرضوں پیچھے میں نقد سے قیمت زائد لینا جائز ہے والاجل یقابلہ قسط من الثمن مگر ایک بات قطع ہونا لازم اس طور پر بیع کہ بحال نقد اتنے پر بیچی اور بصورتِ فلاں میعاد اتنے پر، یہ حرام و فاسد ہے۔ فتح القدیر میں ہے:

لابدان یکون الاجل معلوما لان جہالتہ تفضی الی المنازعۃ فی التسلم والتسلیم وعلی کل ذلک انعقد الاجماع واما البطلان فیما اذا قال بعتکہ بالف حالا و بالفین الی سنۃ فلجہالۃ الثمن[۲]۔

میعاد کا معلوم ہونا ضروری ہے کیونکہ اس کی جہالت لینے اور دینے میں جھگڑے کا سبب بنتی ہے اس تمام پر ائمہ کرام کا اجماع منعقد ہے، رہا اس صورت کا بطلان کہ کسی نے کہا میں یہ چیز تیرے ہاتھ نقد ایک ہزار کی اور ایک سال کے ادھار پر دو ہزار کی فروخت کی تو یہ جہالتِ ثمن کی وجہ سے (باطل) ہے۔ (ت)

---

[۱] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۹۵-۳۹۴

[۲] فتح القدیر " مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۵/ ۴۶۸، ۴۶۹

پھر اس سے بھی قطع نظر ہو تو خود اجل میں تردید ہے یہ خود مفسد ہے اگرچہ نقد و اجل کی تردید نہ ہو اور صرف دو ہی شقیں مفسد ہیں یہاں تو تین ہیں کہ ایک مہینہ میں دے تو قیمت اور، دو میں یہ اور تین میں یہ۔ فتاوی خلاصہ و فتاوی عالمگیریہ میں ہے:

رجل باع علی انہ بالنقد بکذا و بالنسیئۃ بکذا او الی شہر بکذا و الی شہرین بکذا لم یجز۔[1]

ایک شخص نے کوئی چیز یوں بیچی کہ نقد اتنے کی اور ادھار اتنے کی یا ایک ماہ کے ادھار پر اتنے کی اور دو ماہ کے ادھار پر اتنے کی، تو یہ بیع جائز نہ ہوئی۔ (ت)

عجب کہ آپ نے حرام در حرام طرح طرح حرام کو کیسے حلال کر دیا، پھر بین المیعاد ثمن قبول کر لینے کو بائع کی طرف سے بعض ثمن کا حط قرار دینا کس قدر عجیب ہے کم میعاد پر اتنا ہی ثمن ٹھہرا تھا اس نے کم کیا کیا، پھر اگر مشتری تین مہینے کے اندر روپیہ دے تو بائع کو اختیار دینا کہ قبول نہ کرے جب تک پوری میعاد گزر کر سود کا پیٹ پورا نہ بھر جائے سب سے عجیب تر ہے میعاد تو خالص حقِ مشتری ہے۔ کتبِ ائمہ میں تصریح ہے کہ مدیون میعاد سے پہلے دَین ادا کرے تو دائن کو جبراً قبول کرنا ہوگا۔ اشباہ میں ہے:

الدین المؤجل اذا قضاہ قبل حلول الاجل یجبر الطالب علی تسلیمہ لان الاجل حق المدیون فلہ ان یسقطہ ھکذا ذکر الزیلعی فی الکفالۃ وھی ایضا فی الخانیۃ والنہایۃ۔[2]

اگر مقروض میعادی قرض کو میعاد پوری ہونے سے قبل ادا کرے تو قرض دہندہ کو اس کے وصول کرنے پر مجبور کیا جائے گا کیونکہ میعاد تو مقروض کا حق ہے اور اس کو اختیار ہے کہ وہ اس کو ساقط کر دے۔ زیلعی نے باب الکفالہ میں یونہی ذکر کیا، اور یہ خانیہ اور نہایہ میں بھی ہے۔ (ت)

خیر یہ چار تو جملہ معترضہ تھے اب ذرا مقاصد شناسی کی خبریں کہئے، ایک مقلد عالم سے بھی ایسی لغزش ضرور تعجب خیز ہے مگر وہ گرانمایہ اجتہاد پایہ محقق کہ امام اعظم کے ارشادات پرکھنے کا ادعا رکھے اس سے ایک اپنے معاصر مقلد کی ایسی جامد تقلید کیسا سخت نمونہ قیامت ہے ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم (گناہ سے بچنے اور نیکی کرنے کی طاقت نہیں سوائے اللہ تعالٰی کی توفیق کے۔ ت) اس کی نظیر یہی ہو سکتی ہے کہ مولوی عالم علی صاحب مراد آبادی نے براہِ خطاء صریح، دُودھ کے چچا کو

---

[1] فتاوی ہندیہ کتاب البیوع الباب العاشر نورانی کتب خانہ پشاور ۳/ ۱۳۶

[2] الاشباہ والنظائر الفن الثانی کتاب المداینات ادارۃ القرآن کراچی ۲/ ۳۸

بھتیجی حلال لکھ دی، خیر وہ تو لکھ گئے اب فتوٰی پہنچا دہلی، امام غیر مقلدان مولوی نذیر حسین صاحب نے بھی بے دھڑک الجواب صحیح لکھ کر اس پر مہر چھپا دی اور اپنے اہالی موالی سب کی لگوادیں، فتوٰی یہاں آیا فقیر نے تحریم کا حکم دیا اور بعض طلبہ نے مجتہد صاحب کی مزاج پرسی کی، اب غیر مقلدوں کے کل فی الکل کی آنکھیں کھلیں سونے سے جاگے، مجتہد جی کو بخاری ومسلم کی حدیثیں سمجھانے سے سُوجھیں اور دوسرا فتوٰی حُرمت پر لکھا اور پہلے فتوٰی کا یہ عذر بدتر از گناہ پیش کیا کہ،

قبل ازیں بر فتوائے مولوی عالم علی صاحب کہ در حلت آں نوشتہ بودند بر اعتماد ایشاں بنظر سرسری مہر من کردہ باشد۔[1]

قبل ازیں مولوی محمد عالم صاحب جنھوں نے حلت لکھ دی تھی ان پر اعتماد کرتے ہُوئے سرسری نظر سے مہر لگا دی گئی۔ (ت)

حلال وحرام خصوصاً معاملۂ فروج میں نظر سرسری کا عذر اپنی کیسی صریح بددیانتی اور آتش جہنم پر سخت جرأت و بیباکی کا کُھلا اقرار ہے، حدیث میں ہے رسول اللہ صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اجرؤکم علی الفتیا اجرؤکم علی النار۔[2]

تم میں سے جو فتوٰی میں زیادہ بیباک ہیں وہ جہنم کی آگ پر زیادہ بیباک ہیں۔ (ت)

خیر یہ تو غیر مقلدی کے لئے لازم بین ہے مگر "بر اعتماد ایشاں" نے اُن کے اجتہاد کی پوری قیامت توڑ دی، اے سبحان اللہ! مجتہدی کا دعوٰی اور ایک ادنٰی سے ادنٰی مقلد پر حلال وحرام میں یہ تکیہ بھروسا، اور اس کردہ شد کے لُطف کو تو دیکھئے کیا شرمایا ہوا صیغۂ مجہول ہے گویا انھوں نے خود اس پر مُہر نہ کی کوئی اور کر گیا، اللہ یوں اپنی نشانیاں دکھاتا اور ائمہ کے مقابلہ کا مزہ چکھاتا ہے نسأل اللہ العفو والعافیۃ (ہم اللہ تعالٰی سے معافی اور عافیت مانگتے ہیں۔ ت)

قولہ باقی رہا قول فتح القدیر کا لو باع کاغذۃ بالف یجوز[3] انتہی (اگر کسی نے ایک کاغذ ہزار درہم پر بیچا تو جائز ہے انتہی۔ ت)

اقول انتہی نہیں اس کے بعد ولایکرہ[4] (اور مکروہ نہیں ہے۔ ت) بھی ہے اور خود میرا

---

[1] فتاوٰی نذیریہ

[2] سنن الدارمی باب الفتیا وما فیہ من الشدۃ نشر السنۃ ملتان ۱/ ۵۳

[3] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۸

[4] فتح القدیر کتاب الکفالہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴

فتوٰی آپ کے پیشِ نظر ہے اُس میں بھی منقول یعنی" کاغذ کا ایک پرچہ ہزار رُپے کو بیچنا ایسا جائز ہے جس میں اصلاً کراہت بھی نہیں"، اسے پردۂ انتھی میں نہ چھپائیے یہ بہت کام کی چیز ہے آپ کو یہ لایکرہ مکروہ لگتا تھا تو محقق کی شان یہ تھی کہ اُسے نقل کرکے رَد فرماتے، آخر امام ابن الہمام اور ان کے ساتھ کے علمائے کرام جنھوں نے اس لایکرہ کی تصریح فرمائی امام الائمہ امام اعظم سے تو اعظم نہ تھے یہ نہ ہوسکا تھا اور اس کا نقل کرنا ناگوار تھا تو الٰی اٰخرہ لکھ دیا ہوتا یہ بھی نہ سہی یجوز تک لکھ کے یونہی چھوڑ دیا ہوتا کہ اخفائے ظاہر کا الزام تو نہ آتا انتھی نے تو موضع تہمت میں غلط بیانی کی یہ جناب کی شان سے بعید واقع ہوئی۔

قولہ پس مراد اس کی یہ کاغذ نہیں کہ عین ثمن خلقی سمجھا گیا کیونکہ اس کا وجود اُن زمانوں میں نہ تھا بلکہ سادہ کاغذ۔[1]

اقول اولاً عینیت تو بارہا گھر تک پہنچا دی گئی اس کی آڑ تو چھوڑیئے اور اب فرمائیے کہ نوٹ اور اس پرچہ کاغذ میں وجہ فرق کیا ہے سادہ پرچہ تو ہزار روپے کو بک سکے مگر جس پر پانچ روپے کا لفظ و ہندسہ لکھ دیا وہ پانچ سے زیادہ کو بیچنا حرام ہوجائے بڑی منحوس گھڑی سے چھاپا تھا کہ چھپتے ہی نوسو بچانوے اُڑ گئے۔

ثانیاً عینیت کے جو قاہر رَد ہوئے انھیں جانے دیجئے تو آپ خود اپنے تنزل اخیر میں اُس سے یکسر گزر چکے ہیں مہربانی فرما کر اپنی اس اخیر تقدیر پر فرق کی تقریر سُنا دیجئے، جی ہاں سادہ کاغذ ہزار کو بیچنا جائز بتایا ہے اور کیسا کاغذ ناجائز ہے ذرا بتائیے۔

ثالثاً صاف انصاف تو یہ ہے کہ علماء نے مطلق کاغذ فرمایا ہے جو سادہ اور لکھے قلمی اور چھپے نوٹ اور غیر نوٹ سب کو شامل ہے یہ سادگی تو آپ کی زیادت ہے اور مطلق کا کوئی مقید نیا پیدا ہو تو صرف اس بنا پر اُسے حکمِ مطلق سے اخراج سراسر خلاف فقاہت ہے، ہزارہا حوادث نئے پیدا ہوتے جاتے ہیں اور تاقیامت ہوتے رہیں گے، اُن کے احکام اطلاقاتِ ائمہ کرام سے لئے جاتے ہیں، اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ چیزیں اُس زمانے میں کب تھیں لہذا یہ اُن کی مراد و زیرِ حکم نہیں۔

رابعاً سُنئے تو جناب نے اس جُرم پر کہ وہ کاغذ دو پیسہ کا بھی نہیں بیچارے نوٹ کو قصدِ بیع کے قابل نہ سمجھا بلکہ خود سَو روپے بیچنا مقصود بتایا تھا، اب یہ سادہ پرچہ کہ دھیلے چھدام کا بھی نہیں یہ کیسے ہزار روپے کو بکنے لگا یہاں کون سے روپے لائیے گا جن کا بیچنا مقصود بنائیے گا، ایک محقق عالم

---

[1] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/۳۹۸

کو لکھتے وقت خود اپنے آگے پیچھے کا خیال تو رہے نہ یہ کہ ایک ہی صفحہ میں نسی ماقدمت یداہ (بھول گیا وہ جو اس کے ہاتھوں نے مقدم کیا۔ ت)

خامسًا جناب نے یہ بھی ملاحظہ کیا کہ امام ابن الہمام نے یہ یجوز ولایکرہ[1] بلا کراہت جائز ہے کس بحث میں فرمایا ہے، بیع عینہ کی بحث میں، اب وہ بیع عینہ کی ممانعت کدھر گئی یہ تو پانچ ہی سطر میں نسی ماقدمت یداہ ہوگیا، کیا اسی دن کے لئے جناب نے لایکرہ چھوڑ کر انتھی لکھ دی تھی اب تو کہہ دیجئے کہ سو کا نوٹ دو سو کو بیچنا ایسا جائز ہے جس میں کراہت بھی نہیں، آپ کی اسی انتہی پر انتہا کروں کہ رد و اعتراض کا عدد بفضلہ تعالٰی ایک سو بیس[۱۲۰] تک تو پہنچ گیا وللہ الحمد۔

قولہ ھذا ما سنح لی[2] (یہ وہ ہے جو مجھ پر ظاہر ہوا۔ ت)

اقول ای من دون دلیل و مالی لاخفی ولاجلی۔ میں کہتا ہوں بغیر دلیل خفی اور دلیل جلی ہے (ت)

قولہ واللہ اعلم بالصواب وعندہ ام الکتاب[3] (اللہ تعالٰی درست بات کو خوب جانتا ہے اور اس کے پاس ام الکتاب ہے۔ ت)

اقول ھوالمصوب سے یہاں تک فتوی بھر میں ایک یہ جملہ حق و بجا ہے بیشک اللہ عزوجل اعلم بالصواب ہے اور اسی کے پاس ام الکتاب ہے اور اسی ام الکتاب میں یہ پاک خطاب ہے جس سے بیع مذکور برضائے عاقدین کا جواز بے حجاب ہے،

الا ان تکون تجارۃ عن تراض منکم[4]۔ مگر یہ کہ ہو وہ تجارت تمھاری باہمی رضامندی سے۔

اللھم ربنا ارض عنا بکرمك و منك و رأفۃ حبیبك محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم ووفقنا لتجارۃ لن تبور یا عزیز اے اللہ ہمارے پروردگار! اپنے فضل و احسان کے صدقے سے اور اپنے محبوب محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کی مہربانی کے طفیل ہم سے راضی ہوجا اور ہمیں ایسی تجارت کی توفیق عطا فرما جس

---

[1] فتح القدیر کتاب الکفالۃ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر ۶/ ۳۲۴
[2] مجموعہ فتاوٰی کتاب البیوع مطبع یوسفی لکھنؤ ۱/ ۳۹۸
[3] " " " " " " "
[4] القرآن الکریم ۴/ ۲۹

یا غفور اٰمین والحمد للہ رب العٰلمین وافضل الصلوٰۃ واکمل السلام علٰی سید المرسلین محمد و اٰلہ وصحبہ اجمعین اٰمین سبحٰنک اللھم وبحمدک اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرک واتوب الیک سبحٰن ربک رب العزۃ عما یصفون و سلٰم علی المرسلین والحمد للہ رب العٰلمین۔

میں خسارہ نہ ہوا، اے عزت والے اے بخشنے والے! ہماری دعا قبول فرما، تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے، بہترین درود اور کامل ترین سلام ہو رسولوں کے سردار محمد مصطفٰے اور آپ کی تمام آل و اصحاب پر، اے اللہ! ہماری دعا قبول فرما، تو پاک ہے اور ہم تیری ہی تعریف کرتے ہیں، میں گواہی دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی معبود نہیں، میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں، تیرا رب رب العزت پاک ہے ان اوصاف سے جو وہ لوگ بیان کرتے ہیں اور سلام ہو رسولوں پر اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ (ت)

الحمدُ للہ کلام اپنے منتہٰی کو پہنچا اور تحقیق مسئلہ ذروہ اعلٰی کو، تئیس سال ہوئے کہ اس کا سوال فقیر سے ہوا اور مسئلہ بالکل حادث تازہ اور اپنی بے بضاعتی کا خوف و اندیشہ لہٰذا آغاز جواب ان لفظوں سے کیا، ظاہر ہے کہ نوٹ ایک ایسی حادث چیز ہے جسے پیدا ہوئے بہت قلیل زمانہ گزرا فقہائے مصنفین کے وقت میں اس کا وجود اصلاً نہ تھا کہ ان کے کلام میں اس کا جزئیہ بالتصریح پایا جائے مگر اس وقت جہاں تک خیال کیا جاتا ہے نظر فقہی میں صورت مسؤلہ کا جواز ہی معلوم ہوتا ہے، اور عدم جواز کی کوئی وجہ نظر نہیں آتی اور انتہا ان لفظوں پر کہ ھذا ما ظھر لی و اللہ سبحٰنہ وتعالٰی اعلم (یہ وہ ہے جو میرے لئے ظاہر ہوا اور اللہ سبحانہ وتعالٰی بہتر جانتا ہے۔ ت) پھر بفضلِ ربِّ قدیر عزجلالہٗ برابر اس کے مؤیدات ظاہر ہوتے رہے،

مؤیدِ اوّل محرم ۱۳۲۴ھ میں مکہ معظمہ کے دو علمائے کرام مولانا عبداللہ احمد میرداد امام مسجد الحرام اور ان کے استاذ مولانا حامد احمد محمد جدّاوی دام بالاکرام نے نوٹ کے متعلق جملہ مسائل فقہیہ کا سوال اس فقیر سے کیا جس کے جواب میں بفضلِ وہاب عزجلالہٗ ڈیڑھ دن سے کم میں رسالہ کفل الفقیہ وہیں لکھ دیا، پہلا فتوٰی ایک خفیف ساعت کی نظر تھا یہ رسالہ بفضلہٖ تعالٰی پہروں کا خوض کامل، جہاں تک غور کیا وہی رنگ کھلتا گیا اور کوئی شک سدِّ راہ نہ ہوا، یہ نظرِ اوّلیں کا پہلا مؤید تھا۔

مؤید دوم اس سے پہلے فتوائے مولوی لکھنوی صاحب چھپ کر زیرِ نظر آچکا تھا، رسالہ میں اس پر بھی خوض تام کیا اور نظرِ انصاف نے وہی حکم صاف دیا، یہ دوسرا مؤید اقوی ہوا کہ ایک ذکی طباع عالم کی دلیل خلاف آگے رکھ کر تنقیح کامل کی اور اس کی بے اثری ظاہر ہوئی۔

مؤید سوم مکہ معظمہ کے اجلّہ علمائے کرام و مفتیانِ عظام نے کفل الفقیہ کو ملاحظہ فرمایا پڑھوا کر سُنا اس کی نقلیں لیں اور بحمد اللہ سب نے یک زبان مدحیں کیں جیسے حضرت شیخ الائمہ والخطبا رکیبر العلماء حضرت مولانا احمد ابوالخیر میرداد حنفی، حضرت عالم العلما مفتی سابق و قاضی حال علامہ مولٰنا شیخ صالح کمال حنفی، حضرت مولانا حافظ کتب الحرم فاضل سید اسمٰعیل خلیل حنفی، حضرت مولانا مفتی حنفیہ عبداللہ صدیق حفظہم اللہ تعالٰی، ان فاضل جلیل نے کہ اس وقت بھی جانب سلطانی سے افتائے مذہب حنفی کے عہدۂ جلیلہ پر ممتاز تھے، کتب خانہ حرم محترم میں کفل الفقیہ رکھا دیکھ کر بطورِ خود مطالعہ فرمانا شروع کیا فقیر بھی حاضر تھا، مگر اُن سے کوئی تعارف نہ تھا، نہ اس سے پہلے میں نے اُن کو نہ انھوں نے مجھ کو دیکھا، حضرت مولانا سید اسمٰعیل افندی اور ان کے بھائی سید مصطفٰی افندی وغیرہما بھی تشریف فرما تھے، حضرت مفتی حنفیہ نے رسالہ مطالعہ کرتے کرتے دفعۃً نہایت تعجب کے ساتھ اپنے زانو پر ہاتھ مارا اور فرمایا:

این کان الشیخ جمال بن عبداللّٰہ بن عمر من ھذا البیان اولفظا ھذا معناہ۔

شیخ جمال بن عبداللہ بن عمر اس بیان تک کیوں نہ پہنچ سکے یا اس کے ہم معنی لفظ کہے (ت)

حضرت مفتیِ اعظم مکہ معظمہ مولانا جمال بن عبداللہ بن عمر حنفی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کہ سندِ حدیث و فقہ میں اس فقیر کے استاذ الاستاذ ہیں، اور اپنے زمانہ مبارک میں وہی مفتیِ حنفیہ تھے اُس جناب رفیع سے نوٹ کے بارے میں استفتاء ہوا تھا حضرت ممدوح قدس سرہٗ نے علمائے ربّانی کی جو شان ہے اُس کے مطابق صرف اتنا تحریر فرما دیا کہ العلم امانۃ فی اعناق العلماء واللّٰہ تعالٰی اعلم علم علماء کی گردنوں میں امانت ہے واللہ تعالٰی اعلم یعنی کچھ جواب عطا نہ فرمایا، حنفیہ کے مفتی حال نے اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا کہ حضرت ممدوح قدس سرہٗ کا ذہن مبارک ان دلائل کو کیوں نہ پہنچا جو اس رسالہ کا مصنف لکھ رہا ہے،

حضرت مولانا سید اسمٰعیل افندی نے تعریف فرمائی کہ مصنف رسالہ یہ موجود ہے حضرت مفتی حنفیہ نہایت کرم و اکرام سے ملے اور بہت دیر تک بفضلہ تعالٰی علمی تذکروں کی مجلس گرم رہی۔ ان تمام حضرات علماء کے مدائح و قبول کیسے مؤید جلیل ہوئے، والحمد للہ رب العٰلمین۔

مؤید چہارم اب کہ کفل الفقیہ دوبارہ مع ترجمہ چھپا، مولوی گنگوہی صاحب کا فتوٰی نظر پڑا، اس کی طرف توجہ کی اور ساتھ ہی چاہا کہ فتوائے جناب مولوی لکھنوی صاحب پر بھی مستقل نظر ہو جائے، خیال تھا کہ مباحث

تو رسالے ہی میں تمام ہو چکے ہیں غایت درجہ چھ ورق لیس ہوں گے مگر فیضِ قدیر سے اضافۂ مضامین کی لگاتار بارش ہوئی اور قلم روکتے روکتے چھ ورق کی جگہ تین جز کا رسالہ ہوگیا جس نے دونوں کلام مخالف میں کوئی فقرہ لگا نہ رکھا یہ بحمد اللہ تعالٰی اور بھی قوی تر موید عظیم ہوا، رائیں ملنے سے علم پختگی پاتے ہیں اور اس کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ ذی رائے حضرات موافقت فرمائیں۔ دوسری یہ کہ خلاف کرنے والوں کی انتہائی کوششیں سُن لی جائیں اور باطل و بے اثر ثابت ہوں، یہ پہلی صورت سے بھی اقوی ہے کہ جب مخالفانہ کوششیں اثبات خلاف میں عرق ریزی کرکے ناکام رہیں، واضح ہو جاتا ہے کہ بحمد اللہ تعالٰی مسئلہ حق ہے اور خلاف کی طرف راہ مسدود، بفضلہ تعالٰی اس مسئلہ نے دونوں قسم سے حظ وافی پایا بالجملہ جہاں تک نظر کی جاتی ہے آسمانِ فیضِ مصطفٰے صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم سے متواتر تائیدوں کا نزول ظاہر ہے وللہ الحمد۔ بایں ہمہ حاشا فقیر مجتہد ہے نہ ائمہ مجتہدین کے ادنٰی غلاموں کا پاسنگ ان کی خاکِ نعل کے برابر بھی مُنہ نہیں رکھتا، نہ معاذ اللہ شرع الٰہی میں اپنی عقل قاصر کے بھروسے پر کچھ بڑھا سکتا۔ اس فتوٰی اور ان دونوں رسالوں میں جو کچھ ہے جُہدِ المقل ہے یعنی ایک بینوا محتاج کی اپنی طاقت بھر کوشش۔ اگر حق ہے تو محض میرے مولا پھر اس کے حبیبِ اکرم صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا کرم ہے اور اسی کے وجہ کریم کے لئے حمد اور اسی کے فضل سے امید ہے کہ ان شاء اللہ الکریم ضرور حق ہے اس کے گھر کی برکات وہکشا اس کے حبیب صلے اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے کرم جانفزا نے اپنے گدائے بیقدر پر یہ فیضان کئے ہیں ورنہ کہاں یہ عاجز اور کہاں ڈیڑھ دن سے کم میں یہ رسالہ تصنیف کر دینا، پھر اس کے شہر کریم کے اکابر علمائے کرام نے اس درجہ پسند فرمایا یہ بفضلہ عزوجل سب آثارِ قبول ہیں اور اگر شاید یہاں علم الٰہی میں کوئی دقیقہ ایسا ہے جس تک نہ میری نظر پہنچی نہ ان علمائے کرام بلد اللہ الحرام کی تو میں اپنے رب عزوجل کی طرف انابت کرتا اور ہر مسئلہ میں اس پر اعتقاد رکھتا ہوں جو اس کے نزدیک حق ہے اور وہ کہتا ہوں جو میرے امام اعظم حضور سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالٰی عنہ نے فرمایا:

فان یك صوابا فمن اللہ تعالٰی وان یك خطأ فمنی ومن الشیطان واللہ و رسولہ بریئان[1]

اگر یہ درست ہے تو اللہ تعالٰی کی طرف سے اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے، اللہ تعالٰی اور اس کا رسول صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم اس سے بری ہیں۔ (ت)

واقول کما قال ابونا اٰدم علٰی نبینا

اور میں کہتا ہوں جیسے ہمارے باپ آدم نے کہا

---

[1] سنن ابوداؤد کتاب النکاح باب فیمن تزوج آفتاب عالم پریس لاہور ۱/۲۸۸

الکریم وعلیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم اللھم
انك تعلم سری وعلانیتی فاقبل معذرتی
وتعلم حاجتی فاعطنی سؤلی وتعلم ما فی
نفسی فاغفرلی ذنوبی وصلی اللّٰہ تعالٰی
علی سیدنا محمد واٰلہ وصحبہ وابنہ و
حزبہ وبارك وسلم ابدا ابدا واٰخر دعوٰنا
ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین سبحٰنك اللھم
وبحمدك اشھد ان لا الٰہ الا انت استغفرك
واتوب الیك قالہ الفقیر احمد رضا القادری
البرکاتی البریلوی غفر اللّٰہ تعالٰی لہ وحقق
املہ واصلح عملہ والحمد للّٰہ والصلوٰۃ و
السلام علی مصطفاہ اٰخر کل کلام واولہ
اٰمین۔

(اللہ تعالٰی ہمارے نبی کریم اور حضرت آدم پر بہترین
درود وسلام نازل فرمائے) اے اللہ! تو میرے
ظاہر وباطن کو جانتا ہے پس میری معذرت قبول فرما،
اور تو میری حاجت کو جانتا ہے پس میری مراد مجھے
عطا فرما، اور تو اس کو جانتا ہے جو میرے دل میں ہے
پس میرے گناہ معاف فرما۔ اور اللہ تعالٰی ہمارے
سردار اور آقا محمد مصطفٰی، آپ کی آل، اصحاب، اولاد
اور جماعت پر ہمیشہ ہمیشہ درود، برکت اور سلام
نازل فرمائے۔ اور ہماری دُعا کا خاتمہ یہ ہے کہ تمام تعریفیں
اللہ تعالٰی کے لئے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے
تُو پاک ہے اے اللہ! اور تیری حمد کے ساتھ میں گواہی
دیتا ہوں کہ تیرے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں،
میں تجھ سے مغفرت طلب کرتا ہوں اور تیری طرف
رجوع کرتا ہوں، یہ بات فقیر احمد رضا قادری برکاتی بریلوی نے کہی، اللہ تعالٰی اس کی مغفرت فرمائے اور اس
کی امید کو پورا فرمائے اور اس کے عمل کو درست رکھے، اور تمام تعریفیں اللہ تعالٰی کے لئے ہیں اور درود و
سلام ہو اس کے منتخب نبی (محمد مصطفٰی صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم) پر ہر کلام کے اول وآخر میں۔ آمین۔ (ت)